بفیض: تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری رضی اللہ عنہ
سنو چپ رہو
حضور تاج الشریعہ
حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری مدظلہ النورانی
قاضی القضاۃ فی الہند (بریلی شریف)
تقسیم کار
تاج الشریعہ کتاب گھر
ناشر: جماعت

بفیض:

تاجدار اہلِ سنت حضور مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری رضی اللہ عنہ

سنو چپ رہو

حضور تاج الشریعہ

حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان ازہری مدظلہ النورانی

قاضی القضاۃ فی الہند (بریلی شریف)

جماعت رضائے مصطفےٰ

اورنگ آباد، مہاراشٹر

سلسلۂ اشاعت نمبر 20

نام کتاب	:	سنو، چپ رہو
ازافادات	:	حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری مدظلہ
مرتب	:	مولانا محمد عبدالرشید نوری
طباعت اوّل	:	صفر المظفر ۱۴۱۱ھ/ستمبر ۱۹۹۰ء (پاکستان)
طباعت جدید	:	صفر المظفر ۱۴۳۸ھ/نومبر ۲۰۱۶ء
صفحات	:	128
تعداد	:	گیارہ سو

تقسیم کار

تاج الشریعہ کتاب گھر

چمپا مسجد کے سامنے، چمپا چوک، اورنگ آباد، مہاراشٹر

رابطہ: 9665947865

ای میل: hanfirazvi@gmail.com

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	انتساب	8
۲	تعارف بزم رضا	9
۳	مصنف کے حالات از: مولانا شوکت حسن خان	12
۴	پیش لفظ۔۔۔از مولانا عبدالرشید نوری	14
۵	تلاوت کے دوران حق نبی ﷺ کہنا کیسا؟	23
۶	مفتی اختر رضا خاں کی تقریر	23
۷	صاحبزادے کا خط	28
۸	مفتی اختر رضا خاں کا جواب	30
۹	تصدیق: مفتی محمد یامین رضوی	30
۱۰	صاحبزادے کا دوسرا خط	31
۱۱	حضرت کا مختصر جواب	32
۱۲	صاحبزادے کا تیسرا خط	33
۱۳	صاحبزادے کو مولانا سید محمد عظمت علی شاہ کا محققانہ جواب	35
۱۴	صاحبزادے کا جواب الجواب	42
۱۵	مولانا عظمت علی شاہ کا دوسرا جواب	45
	حضرت علامہ اختر رضا خاں کا دوسرا تحقیقی جواب	46
	صاحبزادے کی علمی بددیانتی	46
	پوری عبارت	47

اپنی طرف سے مسئلہ گڑھ لینا	50
تصدیق:.... مفتی محمد یامین رضوی	52
صاحبزادے کے جواب میں سترہ ےاخرابیاں	54
حضرت مفتی اختر رضا خاں کا آخری تحقیقی فتویٰ و جواب	55
سننے کے لیے تیار ہونا بھی سننا ہے	58
سننے کے لیے تیار ہونا اور سکوت	63
صاحبزادے کی چار احادیث	65
حدیث کا غلط ترجمہ	67
علامہ کے دلائل کی دس حدیثیں	68
علامہ سیوطی کی تفسیر سے	70
فیصلہ ہوگیا	73
دل میں کہنا جائز	74
مخصوص وقت میں تلاوت ' درود سے افضل ہے	76
دعویٰ محبت باطل	78
صاحبزادے کی دلیل صاحبزادے کے خلاف	79
دعویٰ کیا؟ دلیل کیا؟	80
حلبی و طحطاوی کی رائے	84
علامہ شامی کی بحث	84
جہری قرأت میں حق نبی کہنا	85
اعلیٰ حضرت کا فتویٰ	86
صاحبزادے کی علمیت	86

صاحبزادے پر جواب اُدھار	87
علامہ کاظمی وغیرہ کا قول	88
تصدیقات علمائے ہند	89
مفتی محمد نظام الدین صاحب، مبارک پور	89
محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ، مبارک پور	93
مفتی محمد شریف الحق امجدی، مبارک پور	93
مفتی محمد معراج القادری، مبارک پور	93
مفتی زاہد سلامی، مبارک پور	94
علامہ بہاء المصطفیٰ۔ بریلی شریف	94
علامہ تحسین رضا خاں۔ بریلی شریف	95
فتویٰ از مفتی محمد احمد جہانگیر خاں۔ بریلی شریف	96
تصدیق: مولانا سید شاہد علی رضوی۔ رامپور	97
مولانا محمد ادریس۔ مبارک پور	97
فتویٰ: مفتی محمد مجیب اشرف۔ ناگپور	97
تصدیق: مفتی غلام محمد خان	98
مفتی محمد یامین رضوی۔ بنارس	98
مفتی محمد ایوب نعیمی۔ مراد آباد	99
علامہ محمد ہاشم رضوی۔ مراد آباد	99
مفتی عبدالرحیم بستوی۔ بریلی شریف	99
مولانا محمد صالح نوری۔ بریلی شریف	101
مولانا محمد توصیف رضا خاں۔ بریلی شریف	101

	تصدیقات علمائے پاکستان	102
	علامہ مفتی احمد میاں برکاتی اور مفتی محمد خلیل خاں رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ	102
	مولانا سید محمد علی رضوی۔حیدرآباد	106
	مفتی محمد رضاء المصطفیٰ۔گوجرانوالہ	107
	مفتی عبدالرحیم سکندری۔سانگھڑ	112
	علامہ عبدالوہاب خاں قادری۔لاڑکانہ	112
	مفتی محمد عبدالحفیظ قادری۔حیدرآباد	113
	مفتی عبدالقیوم خاں۔لاہور	114
	مفتی عبدالقیوم ہزاروی۔لاہور	114
	مفتی محمد نور عالم۔فیصل آباد	115
	مولانا محمد افضل۔فیصل آباد	115
	مولانا ریاض احمد سعیدی۔فیصل آباد	115
	مولانا سید ظفر اللہ شاہ۔فیصل آباد	116
	علامہ حسن علی قادری۔میلسی	116
	مولانا محمد وارث قادری۔خضدار	116
•	مولانا سعید احمد قادری۔حیدرآباد	117
	مفتی محمد امین۔فیصل آباد	117
	ان علما کی تصدیقات جنھوں نے سابقہ تصدیق سے رجوع فرمایا	117
	مفتی غلام مصطفیٰ رضوی۔ملتان	117
	علامہ عبدالرشید رضوی۔جھنگ	117
	مفتی غلام سرور قادری۔لاہور	119

	مفتی مختار احمد۔فیصل آباد	120
	اظہارِ رائے	120
	علامہ محمد اشرف سیالوی۔سرگودھا	120
	مولانا عبدالحکیم شرف قادری۔لاہور	120
	مولانا ابوداؤد محمد صادق۔گوجرانوالہ	121
	مفتی فیض احمد اویسی۔بہاول پور	121
	مفتی غلام محمد قاسمی قادری۔کوئٹہ	122
	وہ علما جنھوں نے سکوت فرمایا	122
	وہ علما جنھوں نے استفتا کا جواب نہ دیا	122
	قدیم فتویٰ از اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ	124
	قطعات۔حماد رضا خان و حسان رضا خان	126

انتساب

محبوب العارفین، سراج الکاملین، رونق بزم برکاتیت احسن العلماء حضرت مولانا حافظ قاری السید الشاہ مصطفیٰ حیدر المعروف مفتی سید حسن میاں شاہ صاحب قادری برکاتی 'نوری' اولادِ رسولی مدظلہم العالی و دامت برکاتہم و فیوضہم 'زیب سجادۂ خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ شریف کے نام!

جو اپنے آباء و اجداد کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے' آج بھی حق و صواب کو پہچاننے کی کسوٹی ہیں۔

جن کے الفاظ پر آج بھی لاکھوں دل دھڑکتے ہیں اور احقاقِ حق کے لیے لاکھوں نگاہیں ان ہی کی طرف اُٹھتی ہیں!

محمد عبدالرشید احمد نوری
یکے از سگانِ مارہرہ و بریلی
۲۲ محرم الحرام ۱۴۱۱ ھج
۱۴ اگست ۱۹۹۰ء

بزم رضا پاکستان حیدر آباد کا تعارف

بزم رضا آج سے تقریباً پینتیس ۳۵ برس پہلے ۱۹۵۵ء میں حیدر آباد کے مشہور بزرگ و عالم حضرت علامہ مفتی سید ریاض الحسن جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قائم فرمائی اور وہی اس کے پہلے صدر ہوئے۔ اس کا افتتاح نامور بزرگ' عاشق رسول' محدثِ اعظم پاکستان حضرت علامہ محمد سردار احمد لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دستِ مبارک سے فرمایا اور مفتیِ اعظم سندھ خلیل العلماء حضرت علامہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی رحمۃ اللہ علیہ اور مشہور ولی کامل' اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے مرید خاص حضرت مولانا اشتیاق علی قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اس کی سرپرستی فرماتے رہے اور اپنی خصوصی دعاؤں اور عنایتوں سے نوازتے رہے اور اب اسے مفتیِ اعظم سندھ کے جانشین و سجادہ' شہزادۂ اکبر حضرت علامہ ابو حماد مفتی احمد میاں برکاتی مدظلہ العالی اور مشہور قادری بزرگ حضرت علامہ سید محمد علی رضوی مدظلہ العالی کی سرپرستی حاصل ہے۔ علمائے اہلسنّت اور بزرگوں کی سرپرستی یہ ایک ایسا اعزاز ہے جو بہت کم تنظیموں کو حاصل ہے۔ ان بزرگوں میں شاعر اہلسنّت حسانِ پاکستان حضرت اختر الحامدی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی سید محمد بشارت علی صاحب قادری رضوی اور حضرت علامہ سعید احمد قادری رضوی بھی شامل ہیں۔ موجودہ عہدے داران یہ ہیں:

صدر: قاضی سید محمد بشارت علی قادری
نائب صدر: سید مقصود علی قادری
ناظم اعلیٰ: محمد عبدالرشید احمد نوری
ناظم نشر و اشاعت: حافظ محمد جمیل قادری
خازن: شبیر رضا نورانی

نائب ناظم اوّل: سید مقبول احمد نوری

نائب ناظم دوم: ڈاکٹر صلاح الدین

نائب ناظم نشر و اشاعت: محمد جاوید رضوی

اس کے علاوہ مفتی نور محمد قادری' مولانا قاری محمد شریف نوری' مولانا قاری عبدالمجید نوری' صاحبزادہ سید ضیاء الحسن جیلانی بھی اسی بزم کے ساتھ منسلک ہیں۔ یہ سب حضرات خلوص و محبت کا پیکر ہیں اور مسلک کی انتہائی لگن اور محنت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔

گزشتہ سال جانشین شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتیِ اعظم ہند' شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ الشاہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری (بریلی شریف) کی آمد کے موقع پر بزم کے شعبۂ تصنیف و تالیف ''اعلیحضرت امام احمد رضا اکیڈمی و لائبریری'' کا وجود عمل میں آیا۔ ایک سال کے مختصر ترین عرصے میں اس شعبہ نے مختلف محاذوں پر اشتہارات' پمفلٹ اور اسٹیکرز کے ذریعے غیر مقلدوں' نجدیوں' وہابیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مسلمانوں کے عقائد و نظریات کی بھرپور حفاظت کی اور ان کے ایوانوں میں تہلکہ مچا دیا، جس کے کافی اچھے اثرات رونما ہوئے اور اب بھی کئی اسٹیکرز اور کتابیں زیرِ طبع ہیں جو عن قریب شائع ہوں گی۔

انتہائی قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ مسلک اہلسنّت پر چاروں طرف سے بدمذہبوں خصوصاً غیر مقلدوں کی یلغار ہے۔ یہ لوگ لاکھوں روپیہ مسلمانوں کے عقائد و نظریات کو تباہ کرنے میں برباد کر رہے ہیں مگر اہلسنّت کی تنظیمیں لاکھوں روپیہ پاس ہونے کے باوجود خاموش تماشائی بنی ہوئی ہیں۔ انہیں اللہ کے یہاں اس کا جواب دینا ہوگا۔ انہیں چاہیے کہ میدانِ عمل میں اُتریں اور بدمذہبوں کا مقابلہ کریں۔ بعض تنظیمیں کام کرتی دکھائی بھی دیتی ہیں مگر مسلک کے لیے نہیں بلکہ غیر ضروری اُمور پر لاکھوں روپیہ برباد کرتی ہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر بزم نے انتہائی نامساعد حالات میں یہ کام شروع

کیا۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہم بے سر و ساماں ضرور ہیں مگر بے وسیلہ نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ بار شکر ہے کہ اس نے بے سر و سامانی کے عالم میں ایسے اسباب مہیا فرمائے کہ ہم خود حیران ہیں۔ وہ مدد ضرور فرماتا ہے، شرط خلوص ہے۔ میں تمام اہلسنّت سے گزارش کروں گا کہ وہ اس جہاد میں ہر ممکن حصہ لیں اور اپنی نئی نسل کو بدمذہب ہونے سے بچائیں۔

فقط

محمد عبدالرشید احمد نوری

۱۶ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ

۱۰ جون ۱۹۹۰ء

شائع کردہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اکیڈمی و لائبریری شعبۂ تحقیق بزم رضا پاکستان
مرکزی دفتر رحمانیہ مسجد مقابل عثمان آباد گیٹ حیدر آباد

حضرت مصنف علامہ کے حالات زندگی

از: مولانا شوکت حسن خان، کراچی

قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، رہبر شریعت، پیر طریقت، واقفِ معرفت وحقیقت، فقیہہ العصر شیخ الاسلام حضرت علامہ الشاہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری بریلوی مدظلہ العالی نجیب الطرفین یعنی والد اور والدہ دونوں جانب سے امام اہلسنّت، مجددِ دین وملت، اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد سے ہیں۔ آپ مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خاں علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ کے پوتے اور مفتیِ اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ کے نواسے ہیں۔ آپ نے مفسرِ اعظم ہند اور مفتی اعظم ہند کے زیر سایہ بریلی شریف میں ہی علومِ دینیہ کی تکمیل فرمائی۔ آپ کو بچپن سے ہی عربی پر عبور حاصل تھا۔ یہاں تک کہ دارالعلوم منظر اسلام میں اپنے مصری استاد کو اُردو اخبار کی خبریں فی البدیہہ عربی میں سنایا کرتے۔ انہی استاد کے ایما پر والد ماجد اور نانا جان کی اجازت سے آپ جامعہ ازہر مصر تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً چار سال تحصیل علم میں گزارنے اور اپنی فطری ذہانت وذکاوت کی بنا پر اپنے اساتذہ کی آنکھوں کا تارا بن گئے۔ یہی وجہ تھی کہ جامعہ ازہر سے فراغت کے بعد آپ کو وہاں کی مسندِ تدریس پیش کی گئی مگر مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اسے منظور نہ فرمایا۔ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے ظاہر کے ساتھ ساتھ آپ کی باطنی اور روحانی تربیت بھی فرمائی۔ اس ولیِ کامل کے فیضِ صحبت نے آپ کو جلد ہی کندن بنا دیا۔ اہلِ نظر کا مشاہدہ ہے کہ آپ کی ذاتِ گرامی ظاہر و باطن، فضل وکمال وتقویٰ ہر لحاظ سے اپنے اسلاف کا مظہر اتم ہے اور آپ ایک ولیِ کامل ہیں۔ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اپنی مبارک زندگی میں آپ کو اپنا قائم مقام بنایا، منصبِ افتاء

سے نوازا، رضا مسجد اور عیدگاہ کی امامت وخطابت عطا فرمائی اور جمعہ و جماعات، حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ آپ کے پیچھے ہی ادا فرماتے اور آپ سے بے پناہ محبت فرماتے۔ بقول محبوب العارفین حضور سیدی علامہ الشاہ سید حسن میاں صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ مارہرہ شریف (پیر خانۂ اعلحضرت) کہ

> ''حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ اختر میاں کے ساتھ مارہرہ شریف تشریف لاتے اور جب کبھی وہ مفتی اعظم ہند کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے تو فوری بلاتے اور فرماتے کہ ''اختر میاں تم میری آنکھوں سے غائب مت ہوا کرو، میں جب تمہیں نہیں دیکھتا تو بے چین ہو جاتا ہوں'' (مفہوماً)''

بحمد اللہ تعالیٰ! حضرت علامہ آج بھی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی مسندِ افتاء کو آباد کیے ہوئے ہیں اور دنیا بھر سے آئے ہوئے استفسارات کے جوابات ارشاد فرماتے ہیں اور تشنگانِ علم وفضل کی پیاس بجھاتے ہیں۔ آپ بریلی شریف سے ایک ماہنامہ ''سنّی دنیا'' بھی نکالتے ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا بھر میں دورہ کر کے مسلکِ حق اہلسنّت و جماعت کی ترقی وترویج واشاعت میں رات دن کوشاں ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مدظلہ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کے فیوض وبرکات سے تمام دنیا کو مستفیض فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

پیش لفظ

از: ابوالسخا (مولانا) محمد عبدالرشید قادری برکاتی نوری ایم اے

مسئلہ ''حق نبی''، صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ پانچ سال، دس سال، پندرہ سال پہلے بھی یہ مسئلہ علماء سے پوچھا گیا ہے اور اس پر محقق علماء نے جو جواب زبانی عطا فرمایا، وہ وہی تھا جو آپ تحریری شکل میں کتابِ ہذا میں پڑھ لیں گے...... ہاں بلادِ عرب اور بلادِ ہند کے علماء کے سامنے یہ ایک نیا مسئلہ تھا، چنانچہ خانقاہِ رضویہ کے ایک خانوادے، امام اہلسنّت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے نبیرہ اور مفتیِ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے نائب و جانشین، فاضلِ کل، حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری الازہری دامت فیوضہم، جب پاکستان تشریف لائے اور انہوں نے یہاں لوگوں کو دیکھا کہ وہ دُعا میں، امام وخطیب اور مقرر کی تقریر میں آیتِ درود شریف پڑھتے وقت، دورانِ قرأت ''حق نبی'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نعرہ لگاتے ہیں، تو مسئلہ بتائے بغیر نہ رہ سکے اور علی الاعلان جلسۂ عام میں مسئلہ ضرور یہ بیان فرمادیا۔ لوگوں نے یہ مسئلہ سنا اور سرِ تسلیم خم کر دیا۔ جو علماء وہاں موجود تھے انہوں نے سراہا کہ حضرت نے صحیح وقت پر رہنمائی فرمائی ہے......

اسی مجمع میں صاحبزادہ محمد زبیر صاحب بھی موجود تھے۔ موصوف کو اکابر سے اختلاف کا بہت شوق ہے...... کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ بعض اکابر علماء نے ان کی تحریر کی اصلاح فرمائی مگر صاحبزادے اپنی رائے پر مصر رہے اور اکابر کی رائے کو تسلیم نہیں کیا۔ موصوف کو خود اپنے والد ماجد مرحوم ومغفور سے بعض مسائل میں عملاً اختلاف ہے۔ چنانچہ اسی عادتِ قدیمہ مستمرہ کے تحت، صاحبزادے صاحب نے ایک سوال حضرت کو لکھ کر بھیج دیا، جس کا جواب حضرت نے فوری دیا۔ پھر اور سوال وجواب ہوئے۔ یہ تمام سوالات وجوابات من وعن، کتاب ہذا کی زینت ہیں۔ قارئین اُسے خود ہی پڑھ لیں گے۔ موصوف کے آخری سوال کے جواب میں حضرت ابھی لکھ ہی رہے تھے کہ صاحبزادے صاحب نے اپنی جلد بازی کی عادت کے تحت، خود ہی اپنے گھر کے ایک فرد نام سے سوال ترتیب دے کر جواب لکھا اور بہت سے علماء سے تصدیقات کرا کے رسالہ شائع کرایا۔ موصوف نے اپنی رسالہ میں جو دلائل پیش کیے ہیں، ان میں سے کئی کا جواب تو حضرت ان کو پہلے دے چکے تھے۔ باقی کے جواب بھی حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں مدظلہ نے اس مسئلے پر اب تک کی آخری گفتگوئے ہذا میں مرحمت فرمادیئے ہیں۔ جن کو قارئین پڑھ لیں گے...... ہم صاحبزادے کے دلائل سے قطع نظر (کہ ان کا جواب تو کتابِ ہذا میں موجود ہے) صرف رسالہ ''حق نبی''، پر کچھ تبصرہ کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) پورے رسالہ میں جہاں جہاں ''حق نبی'' لکھا ہے، کہیں بھی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذکر کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی درود وسلام کے کلمات غائب ہیں، حتیٰ کہ سرورق اور پہلے صفحہ پر بھی صرف ''حق نبی'' لکھا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲) صاحبزادے نے اپنی مؤلفہ میں اس مسئلے کو معمولی مسئلہ قرار دیا، (رسالہ مذکورہ ص۲) حالانکہ یہ ایک اہم مسئلہ ہے اور اور قرآنِ کریم سے اس پر حجت موجود ہے۔

(۳) صاحبزادے نے اس مسئلے پر اظہارِ حق، کو **اضطراب وانتشار کے پیدا ہونے کا لازمی امر قرار دیا۔** (رسالہ مذکورہ ص۲) حالانکہ مسئلہ کے بیان سے نہ تو انتشار پھیلا اور نہ اضطراب بلکہ رسالہ ''حق نبی'' کی طباعت کے بعد ضرور انتشار پھیلا اور عوام مضطرب ہوئے۔

(۴) صاحبزادے نے حضرت مفتی اختر رضا خاں ازہری زید مجدھم کی جانب سے اس مسئلے پر اظہارِ خیال کو ''شر'' قرار دیا (معاذ اللہ) اور اپنے مؤلفہ رسالہ کو ''رفع شر'' کا باعث قرار دیا۔ (رسالہ مذکورہ، ص۲) صاحبزادے صاحب نے اس پر توجہ نہ فرمائی کہ جس کو وہ ''شر'' سمجھ رہے ہیں، وہی تو حق ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت کیا گیا ہے۔

(۵) صاحبزادے صاحب کی نگاہ میں، ان کے مؤلفہ رسالہ کی طباعت سے، کسی کی

ذاتی مخالفت یا مخاصمت مقصود نہیں تھی۔ (رسالہ مذکورہ، ص۲) حالانکہ اگر ذاتی مخالفت مقصود نہ تھی تو اتمام حجت تو ہونے دیتے' ابھی تو مجیب جواب دے ہی رہے تھے کہ یہ صاحبزادے صبر نہ کر سکے اور محض اپنی برتری کے اظہار کے لیے یک طرفہ دلائل طبع کرادیئے۔

(٦) صاحبزادے صاحب کی نگاہ میں بقول ان کے' انہوں نے اپنا رسالہ للّٰہیت کے ساتھ طبع کرایا ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے فاضل و محترم حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری مدظلہ کا نام تصدیقات سے نکال دیا ہے......لیکن یہ رائے محض' پردہ داری کے لیے ہے' صاحبزادے اگر اس کام میں مخلص ہوتے اور للّٰہیت کے ساتھ کرتے تو......

(الف) وہ اپنے جواب میں حضرت کے جوابات بھی نقل کرتے۔

(ب) جن علماء سے تصدیقات کرائی ہیں' ان کو آگاہ کرتے کہ یہ مکالمہ' کس عالم سے ہو رہا ہے۔

(ج) یہ بھی ظاہر کرتے کہ ابھی فاضل محترم حضرت علامہ اختر رضا خاں کا آخری جواب آنا باقی ہے۔

پھر وہ دیکھتے کہ ان کی رائے کی تصدیق کتنے علماء نے فرمائی ؟!! لیکن صاحبزادے جانتے تھے کہ اگر انہوں نے' حضرت کا نام ظاہر کر دیا تو شاید ایک دو حضرات ہی تصدیق کرتے، باقی اس وقت سکوت فرماتے یا حضرت کے دلائل منگواتے۔ دونوں صورتوں میں مدعا پورا نہ ہوتا، لہٰذا نام ہی اُڑا گئے۔

چنانچہ فاضل کل حضرت علامہ محمد اشرف سیالوی فرماتے ہیں کہ مولانا محمد زبیر صاحب کے متعلق مجھے معلوم نہ تھا کہ ان کی سعی جمیل کے پس پشت کونسا محرک ہے، ورنہ میں اس میں حصہ نہ لیتا۔

(پورا خط کتابِ ہذا میں شامل ہے)

(٧) صاحبزادے صاحب کے بقول' قائد اہلسنّت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی

دامت برکاتہم العالیہ نے ''حق گوئی'' کی اس کٹھن راہ میں قدم قدم پر ان کی حوصلہ افزائی افزائی......حالانکہ حضرت قائد اہلسنّت مدظلہ نے نجی محفلوں میں اس کی طباعت کو پسند نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس کی اشاعت سے اہلسنّت میں انتشار بڑھے گا۔ (مفہوم گفتگو درمیان علماء' بہ موقع جلسۂ دستارِ فضیلت ٹھٹھہ' بر مکان جیلانی برادران ١٩٨٩ء)

(٨) صاحبزادے صاحب کے الفاظ میں' ان کی یہ کوشش اُمت مسلمہ کے اتفاق و اتحاد کے لیے ہے......مگر افسوس یہ کہ ان کی یہ سعی و کاوش' اُمتِ مسلمہ میں بے چینی و اضطراب کا باعث بنی......صاحبزادے صاحب اگر اپنا جواب شائع نہ کرتے تو جواباً یہ کتاب بھی نہ شائع کی جاتی جو مجبوراً شائع کی جا رہی ہے۔ صاحبزادے صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں جو اپنے ایک شاگرد سے لکھوایا کہا کہ ''دعویٰ (بزعم خود) جو......ثابت کیا جا چکا ہو' کی تائید میں' اگر کوئی مرجوح (ناپسندیدہ) اور ضعیف قول' بھی لایا جائے (گویا) خود بھی اپنے قول کی تائید میں لائی جانے والی دلیل کو ''ضعیف (کمزور) اور مرجوح (ناپسندیدہ' فقہا کے نزدیک ناقابلِ قبول) (سمجھ رہے ہیں) تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑتی'' (یہ خط کتابِ ہذا میں شامل ہے) حالانکہ......قیامت ٹوٹ پڑی......خود صاحبزادے صاحب پر ٹوٹ پڑی......دیکھئے کیا لازم آیا: علامہ شامی درمختار میں فرماتے ہیں:

ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل و خرق للاجماع.

قول مرجوح پر حکم و فتویٰ دینا جہالت اور خلاف اجماع ہے۔ (درمختار' ج۱، ص٦٩)

اب ذرا ''حق نبی'' (صلی اللہ علیہ وسلم) نامی رسالہ پر جن محترم علماء کرام نے تصدیقات فرمائی ہیں......ان پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس رسالہ میں باون محترم حضرات کی تصدیقات ہیں۔ ان میں سے اٹھائیس علماء وہ ہیں جو باقاعدہ منصب افتاء پر فائز ہیں......تیرہ وہ ہیں جو مدرّس ہیں اور افتاء سے شغف نہیں فرماتے۔ اور گیارہ وہ ہیں جو واعظ یا مقرر، امام خطیب ہیں......جب ان تصدیقات کو بغور پڑھا گیا تو جو کچھ نتیجہ نکلا وہ یہ ہے

کہ ان حضراتِ مقدسہ میں سے پینتیس حضرات وہ ہیں جنہوں نے صرف تصدیق فرمائی ہے۔ اور اپنی علیحدہ رائے یا دلیل کا اظہار نہ فرمایا۔ ان میں سے بعض امام وخطیب ہیں یا واعظ...... باقیوں میں سے جنہوں نے کچھ تحریر فرمایا ہے ان میں سے (۱) حضرت مولانا مفتی مختار احمد صاحب فرماتے ہیں کہ مخالف کے پاس سوائے بغض کے کوئی دلیل واضح موجود نہیں ہے (حضرت کی خدمت میں عرض ہے کہ ''وقف کو قرأۃ کا حکم'' دینے والے فاضل کے دلائل ملاحظہ فرمالیں' ان شاءاللہ آپ بھی مطمئن ہوجائیں گے)

(۲) حضرت مولانا ابوداؤد محمد صادق صاحب نے اپنی تصدیق میں مطلقاً حق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جواز پر بات کی ہے' عندالقرأۃ حق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بیان نہیں فرمایا۔ (فاضل محقق علامہ ازہری کو اس سے کب انکار ہے) وہ بھی مطلقاً حق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنا افضل قرار دیتے ہیں) حضرت مولانا نے ہمارے استفسار پر اپنی رائے کا دوبارہ اظہار فرمایا ہے' جو شامل کتاب ہذا ہے۔

(۳) علامہ محمد اشرف صاحب مدظلہٗ نے اپنی تصدیق میں ان الفاظ میں فاضل محقق علامہ ازہری کی تائید ہی فرمائی ہے' لکھتے ہیں ''اور جب قرأت ہی منقطع ہوگئی تو حکم استماع بھی مرتفع ہوگیا'' (یہی قول فاضل علامہ ازہری کا ہے)

(۴) حضرت علامہ غلام رسول رضوی قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں ''وقفہ تلاوت کے حکم سے خارج ہے'' (حضرت کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ فاضل محقق علامہ ازہری نے ثابت کیا ہے کہ یہ وقفہ حکم قرأت میں ہے' اُمید کہ یہ تحقیق پڑھ کر آپ اس کی تائید فرمائیں گے)

(۵) مفتی محمد اسلم صاحب رضوی بھی قاری کی تلاوت کے درمیان وقفہ میں نعرہ لگانا بدرجۂ اولیٰ جائز فرمارہے ہیں (ان حضرت سے بھی عرض ہے کہ پہلے فاضل محقق کی تحقیق ملاحظہ فرمالیں پھر رائے کا دوبارہ اظہار فرمائیں)

(۶) علامہ مفتی محمد حسین نعیمی بھی' فاضل محقق علامہ اختر رضا خاں ازہری مدظلہ کی

تصدیق کررہے ہیں' فرماتے ہیں (لہٰذا ہر آیت کی تلاوت کے بعد کا وقفہ شامل قرأت نہیں'' (تو فاضل محقق بھی یہی فرماتے ہیں کہ آیت پوری ہو پھر نعرہ لگائیں)

(۷) حضرت علامہ مفتی غلام سرور قادری صاحب نے رسالہ مذکورہ پر تصدیق فرمائی تھی مگر حضرت نے اس تصدیق سے رجوع فرماتے ہوئے فاضل محقق علامہ اختر رضا خاں ازہری مدظلہ کے دلائل پڑھ کر' جو تصدیقی وتحسینی کلمات ارشاد فرمائے، وہ کتاب ہذا کی زینت ہیں۔

(۸) مفتی محمد خاں صاحب منہاجی طاہری نے اصل معاملہ سے ہٹ کر تصدیق فرمائی، انہوں نے اس کو اضافہ تصور فرما کر تردید فرمائی (حالانکہ بحث اضافہ پر نہیں بلکہ نعرۂ ''حق نبی'' عندالقرأۃ پر ہو رہی ہے)

(۹) حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ صاحب نے بھی تصدیق میں فرمایا کہ مانعین کا موقف غلط اور مبنی بر عناد ہے۔

(مگر جب موصوف نے حضرت مفتی اختر رضا خاں ازہری کا فتویٰ ملاحظہ فرمایا تو اپنے سابقہ موقف سے رجوع فرماتے ہوئے حضرت کے فتویٰ کی تائید فرمائی اور مبارکپور یونیورسٹی سے آنے والی تائید پر تصدیق فرمائی، جو شامل کتاب ہذا ہے۔ فللہ الحمد)

(۱۰) حضرت علامہ مفتی ابوصالح محمد فیض احمد صاحب اویسی نے بھی' مانع کے قول کو حق کا انکار تصور فرمایا (حالانکہ حق کا انکار نہیں کیا جارہا ہے' نبی کے حق ہونے سے بھلا کون انکار کرے گا' مسئلہ یہ ہے کہ یہ وقفہ قرأۃ میں شمار ہے یا نہیں۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں' ان شاءاللہ آپ بھی تائید فرمائیں گے)

(۱۱) حضرت مولانا بشیر احمد اشرفی زیدحبہ نے دلائلِ قاہرہ سے وقف کے اقسام بیان فرمائے ہیں۔ (حضرت کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ جس کتاب ''الاتقان'' از علامہ سیوطی سے آپ نے وقف کی اقسام ارشاد فرمائی ہیں اسی سے تو فاضل محقق علامہ ازہری نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ ایسا وقف قرأت کے حکم میں ہے اس پر بھی نگاہ ڈال لیں

اور فاضل محقق کی تحسین فرمائیں)

(۱۲) حضرت علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری صاحب قبلہ نے جو روایت نقل فرمائیں، فاضل محقق نے ثابت کیا ہے کہ وہ صرف قاری کے لیے ہیں، سامع کے لیے نہیں، سامع پر تو انصات ہی لازم ہے۔ اور یہ دلیل کہ جب قاری ادا کرسکتا ہے تو سامع بھی ادا کرسکتا ہے، مشکوٰۃ میں مذکور نہیں۔ یوں ہی فقہا کے ارشادات بھی قاری کے حق میں مفید ہیں، سامع کے حق میں نہیں۔ (معذرت کے ساتھ)

(۱۳) حضرت مولانا مفتی محمد رفیق حسنی صاحب نے اس کو عدم علم، عناد اور ضد قرار دے دیا، (حضرت سے عرض ہے کہ فاضل محقق علامہ اختر رضا خاں ازہری مدظلہ کے دلائل ملاحظہ فرمائیں پھر اپنی رائے پر غور کریں)

(۱۴) صاحبزادۂ خطیب پاکستان مولانا کوکب نورانی' نے اپنے والد گرامی (مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ) کا جو واقعہ بیان فرمایا' وہ خاص اپنے موقع کے لحاظ سے مناسب ہوگا۔ پھر جب ان کا حضرت فاضل محقق علامہ مفتی اختر رضا ازہری صاحب مدظلہ سے ملنے کا ارادہ ہی تھا' تو مل لیتے' پھر حکم لگاتے۔ اب ان کے دلائل ملاحظہ فرمالیں پھر فیصلہ فرمائیں۔ (شکریہ)

(۱۵) حضرت مفتی عبداللطیف صاحب ٹھٹھوی قبلہ زید مجدہ نے فرمایا کہ "ان کا اعتراض سراسر غلط اور عناد سے بھرا ہوا ہے"۔ (حضرت سے بھی مؤدبانہ عرض ہے کہ فاضل محقق کا جواب تحقیقی ملاحظہ فرمانے کے بعد فیصلہ فرمائیں)

(۱۶) مولانا عبداللطیف ایم اے لکھتے ہیں کہ ہاتھ اُٹھا کر پڑھنا خود قرینہ ہے کہ یہاں قرأت کی نیت نہیں بلکہ ثنا و دُعا مراد ہے۔ (حالانکہ ثنا تو پورا قرآن ہے اور یہ دُعا کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ تلاوت کرکے اخبار (اطلاع دینا) مقصود ہے۔ پھر وہاں کیا فرمائیں گے جہاں مقرر یا واعظ بغیر ہاتھ اُٹھائے آیتِ درود پڑھتا ہے۔ وہاں تلاوت ہے؟ تو پھر وہاں منع فرمادیں)

(۱۷) حضرت علامہ مولانا محمد مختار احمد' فیصل آبادی نے بھی رسالہ حق نبی کے مضمون پر تصدیق فرمائی تھی۔ مگر جب حضرت مفتی اسلام کا فتویٰ ملاحظہ فرمایا تو اپنے سابقہ قول سے رجوع کرتے ہوئے حضرت مفتی اسلام علامہ محمد اختر رضا خاں قبلہ کے فتویٰ کی تصدیق نہ صرف خود فرمائی بلکہ فیصل آباد کے دیگر علماء سے تصدیق بھجوائی جو زینت کتاب ہذا ہیں۔ (فللہ الحمد)

..........☆☆☆☆☆..........

خلاصۂ کلام یہ کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ تلاوت کے دوران "حق نبی" (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نعرہ نہ لگائیں اور یہ وقف جو "علی النبی" پر ہوتا ہے' قرأت کے حکم میں ہے لہٰذا اس موقع پر نعرہ نہ لگائیں بلکہ جب پوری آیت ختم ہو جائے تو پھر "حق نبی" صلی اللہ علیہ وسلم یا "لبیک" یا "اللّٰھم لبیک" کہہ کر درود شریف پڑھیں۔ پورے مسئلے کے لیے کتاب حاضر ہے۔

..........☆☆☆☆☆..........

فاضل محقق حضرت علامہ ازہری قبلہ زید مجدہم کے بارے میں بتانا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے' آپ امام اہلسنت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تربیت فرمائی ہے۔ ان کے سایہ میں تعلیم حاصل کی' ان کے ہی زیر سایہ منصب افتاء پر فائز ہوئے اور ہزاروں فتاویٰ لکھے۔ مفتی اعظم ہند نے آپ کو مزید علم کے لیے جامعہ الازہر بھیجا، جہاں آپ نے چار سال گزارے۔ یوں آپ الازہری کہلائے (گویا آپ صرف سہ ماہی ازہری نہیں ہیں) حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ہی آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور تمام علمائے ہند نے آپ کو جانشینِ مفتی اعظم ہند تسلیم کیا ہے اور آپ کے علم و عرفان اور فضل و کمال و زہد تقویٰ کے معترف ہیں۔

..........☆☆☆☆☆..........

رسالہ حق نبی کی اشاعت کے بعد اخبارات میں صاحب زادے محمد زبیر صاحب کے رفقاء کی جانب سے' حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری کی ذات پر جو رکیک حملے کیے گئے' تمام فرزندانِ خانقاہِ رضویہ نے اس کی مذمت فرمائی ہے۔ اہلِ سلسلہ قادریہ' برکاتیہ' رضویہ' نوریہ' حامدیہ نے بھی ایسے اُمور کی مذمت کی ہے۔

افسوس! کہ صاحبزادے نے اختلاف کے ساتھ ساتھ قانونی' اخلاقی اور شرعی حدود کو بھی چھوڑ دیا اور اپنے پیش لفظ میں پوری طرح یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ انہوں نے یہ اختلاف معاذ اللہ کسی دیوبندی' وہابی' گستاخِ رسول سے کیا ہے۔

حالانکہ وہ خوب جانتے تھے اور جانتے ہیں کہ ان کا یہ مکالمہ کس سے ہو رہا ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ انہیں کے پرداداا علیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے بریلوی کہلاتے اور بریلوی ہونے کے ناطے ہی اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔ ایسے محسنوں سے اختلاف کیا یہ کوئی مہذب انداز ہے؟

..........☆☆☆☆☆..........

محترم قارئین کتابِ ہٰذا کے مطالعہ سے آپ اس نتیجے تک پہنچیں گے کہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری مدظلہٗ نے صاحب زادے کی ایک ایک دلیل کا جواب دیا ہے جبکہ صاحبزادے اپنے رسالہ میں کہیں بھی حضرت کے پیش کردہ دلائل میں سے کسی بھی ایک دلیل کو رَد نہ کر سکے۔ حالانکہ دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ صاحبزادے اپنے رسالہ میں حضرت کے تمام دلائل کا تذکرہ کرتے اور طرفین کے دلائل علماء و عوام کے سامنے پیش کرتے پھر محاکمہ چاہتے۔

اللہ تعالیٰ' اس کتاب کو پڑھ کر قبولِ حق کی توفیق دے۔ آمین

محمد عبدالرشید نوری قادری

۶ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

۳ فروری ۱۹۹۰ء

قرآن کریم کی تلاوت کے دوران حق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہنا کیسا ہے؟

عالم اسلام اور دنیائے اہلسنّت کی مسلمہ شخصیت' نبیرۂ امام اہلسنّت فاضل بریلوی اور مفتیِ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہما کے جانشین اور نائب حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں بریلوی قادری برکاتی نوری مدظلہم العالیٰ گزشتہ سال پاکستان تشریف لائے تو اس موقع پر عوام اہلسنّت خانقاہِ رضویہ کے اس عظیم فرزند کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تابانہ ٹوٹ پڑے۔ اپنے اس دورہ میں حضرت نے حیدر آباد میں ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب فرمایا۔ اپنے اس خطاب سے قبل آپ نے ایک تمہیدی گفتگو میں عوام اہلسنّت کو ایک مسئلہ شرعیہ سے آگاہ فرمایا اور بتایا کہ قرآنِ کریم کی تلاوت کے درمیان خاموشی لازم ہے اور اس موقع پر حق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نعرہ لگانا قرآنی حکم کے خلاف ہے۔ ذیل میں حضرت کی وہ تقریر نذر قارئین ہے۔ (مرتب)

حضرت مفتی محمد اختر رضا خاں الازہری کی تقریر!

حدیث میں ہے:

"من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان."

جو تم میں سے کوئی بُری بات دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر

اس کی استطاعت رکھتا ہے' ہاتھ سے بدل دے اگر اس کی قدرت نہیں رکھتا ہے تو زبان سے اس کو منع کرے' بدل دے اور زبان سے اس منکر کو بدل دے' اگر اس کی بھی قدرت نہیں رکھتا تو اسے دل سے بُرا جانے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔

دوسری حدیث میں فرمایا: ولیس وراء ذلک من الایمان حبة خردل یعنی اس کے بعد' اس کے علاوہ ایمان کا رائی برابر کوئی درجہ نہیں ہے۔ یعنی برائی کو بُرا جاننا ایمان کا تقاضا ہے اور یہ مومن کی شان ہے اور ایمان کا خاصہ ہے، لازمۂ ایمان ہے کہ برائی کو بُرا جانے، پھر اگر قدرت رکھتا ہے تو مومن کی یہ شان ہے کہ سرکار نے ارشاد فرمایا اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اس برائی کو مقرر نہ رکھے اور اگر اس کی بھی قدرت نہیں ہے تو برائی کو بُرا کہے اور منکر کی برائی کو ظاہر کرے، اس کی شناعت ظاہر کرے، لوگوں کو منع کرے۔ یہاں پاکستان میں یہ دستور ہے کہ جب آیتِ دُرود پڑھی جاتی ہے' اُس وقت لوگ زور سے نعرہ لگاتے ہیں ''حق نبی'' صلی اللہ علیہ وسلم۔ الحمدللہ ہم نبی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمہ گو ہیں اور ایسے کلمہ گو ہیں کہ مدعیوں کے پاس تو محض دعوے کے سوا کچھ نہیں ہے اور ہم ایسے کلمہ گو ہیں کہ روئے زمین پر ہم ہی مسلمان ہیں الحمدللہ اور ہم سچے کلمہ گو ہیں، اس لیے کہ ہم سچے نبی کو مانتے ہیں۔ ہمارا نبی بھی سچا اور ہمارا خدا بھی سچا اور ہمارا کلمہ بھی سچا اور الحمدللہ اس نبی کا کلمہ پڑھنے کی وجہ سے ہم بھی ایسے سچے ہیں کہ کوئی ہم کو جھوٹا نہیں کہہ سکتا لیکن ہم پر، آپ پر' سب پر اس کی اطاعت ضروری ہے جس کا ہم نے کلمہ پڑھا ہے اور کلمہ پڑھنے سے ہی ہمارے ذمے میں ان کی اطاعت فرض ہوئی ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

تو ہمارے اوپر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت ضروری ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی اطاعت ہی بعینہٖ خدا کی اطاعت ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ.

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تمہارے اندر جو علماء ہیں' اہلِ حکم ہیں ان کی اطاعت کرو۔

اب اس پر غور کیجیے کہ ہم جو نعرہ لگاتے ہیں ''حق نبی'' صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اس سے قطع نظر کہ یہ نعرہ فی نفسہ جائز ہے، کوئی بُری بات نہیں بلکہ یہ ہمارے دل کی آواز ہے جو ہمارے منہ سے' ہمارے لبوں سے' ہماری زبان سے نکلتی ہے! یہ دل کی آواز ہے لیکن اس پر غور کیجیے کہ اس وقت جو یہ نعرہ لگایا جاتا ہے کیا اللہ نے یا اس کے رسول نے اس وقت نعرہ لگانے سے آپ کو منع کیا ہے یا اس نعرہ لگانے کی اجازت دی ہے؟ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ.

جب قرآن پڑھا جائے فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ تو اس کو سنو اور چپ رہو تا کہ تمہارے اوپر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ہو۔

قرآنِ کریم نے ہمیں اس آیت کریمہ میں دو باتوں کا حکم دیا ہے، ایک یہ کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو آپ سنیں اور دوسری بات یہ کہ قرآن کی تلاوت کے دوران چپ رہیں اور اس پر قرآن کریم نے وعدہ فرمایا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اگر ایسا کرو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہو گے، اللہ تعالیٰ کی رحمت تم پر نازل ہوگی۔ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ابھی جب قاری ٹھہر گیا اور اس نے وقف کیا تو قرأت ابھی نہیں ہو رہی ہے، تو سننے کا حکم نہیں ہے اور جب سننے کا حکم نہیں ہے تو چپ رہنے کا بھی حکم نہیں ہے۔ اس لیے کہ چپ رہنا وہ سننے کے لیے ہے لہٰذا حق نبی کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس خیال کا اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے چپ رہنے کا جو حکم دیا ہے یہ محض سننے کے لیے

نہیں ہے بلکہ قرآن کریم نے جو چپ رہنے کا حکم دیا ہے وہ حرمت قرآن کی وجہ سے ہے اورقرآن کو سننے کے لیے بھی ہے۔ دیکھیے کہ جب تک تلاوت کی محفل قائم رہے جب تک تلاوت کی مجلس قائم رہے یہ شرع کا قاعدہ کلیہ ہے کہ شرع مجلس کا اعتبار کرتی ہے، جس مجلس میں جو کام ہو رہا ہے جب تک وہ کام ہوتا رہے گا وہ مجلس اسی کام کی ہے۔

آپ نے ابھی کھانا شروع نہیں کیا ہے لیکن کھانا کھانے کے لیے مستعد ہیں۔ کھانا کھانے کے لیے بیٹھے ہیں تو عرفاً کیا کہا جائے گا کہ کھانا کھایا جا رہا ہے' کھانا کھا رہے ہیں۔ جب تک کھانے کا فعل ہوتا رہے گا تب تک یہی کہا جائے گا کہ کھانا کھایا جا رہا ہے حالانکہ اس پوری مجلس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ کھانا کھاتے رہیں، بیچ میں کوئی فصل واقع نہ ہو۔ بیچ میں فصل واقع ہوگا تو آپ بات بھی کریں گے، کوئی اور کام بھی کریں گے لیکن وہ چونکہ کھانے کی مجلس ہے، کھانے کی محفل ہے تو اس میں اس فصل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو معمولی سا فصل ہے، اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ یہی کہا جائے گا کہ کھانا کھا رہے ہیں اور کھانا کھانے سے پہلے بھی آپ جب کھانے کے لیے متعد ہیں تو اس حالت استعدادی پر بھی وہ اطلاق ہوگا کہ کھانا کھایا جا رہا ہے' کھانا کھا رہے ہیں، فلاں شخص کھانے کے لیے جا رہا ہے۔ ابھی کھانا کھایا نہیں ہے لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ کھانا کھا رہا ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ جو فعل جب تک قائم رہے، جب تک جاری رہے' وہ مجلس اسی فعل کی قرار دی جائے گی۔

اس طریقے سے مَیں (مفتی اختر رضا خاں ازہری) جو تقریر کر رہا ہوں، تو میرے جملوں کے درمیان خاموشی بھی ہوگی لیکن اس خاموشی کا کوئی اعتبار نہیں کرے گا بلکہ یہی کہے گا کہ تقریر ہو رہی ہے اور آپ لوگ بھی کہیں گے کہ فلاں صاحب تقریر کر رہے ہیں اور ہم تقریر سن رہے ہیں۔ حالانکہ بیچ میں خاموشی بھی ہوگی۔ اس کو بہت سی مثالوں سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ بہر حال مختصر یہ ہے کہ جب تک جس کام کی محفل رہے گی وہ محفل اس کام کی شمار کی جائے گی۔ جب تک تقریر جاری ہے تقریر کی محفل قرار دی جائے گی۔ جب تک

خطبہ جاری ہے تو خطبہ کی محفل قرار دی جائے گی۔ بلا تشبیہ و تمثیل اسی طریقے سے جب تک تلاوت کی جا رہی ہے ہزار مرتبہ اگرچہ قاری سکوت کرے، اگرچہ وقف کرے لیکن وہ محفل اسی مجلس کی' تلاوت کی ہی قرار دی جائے گی۔ اسی لیے قاری کی تلاوت کے درمیان اور خطبہ کے درمیان اور وعظ کے درمیان یہی حکم ہے کہ جب تک خطبہ جاری ہے تو لوگوں کو ضروری ہے کہ وہ چپ بیٹھیں، اگرچہ آواز نہ پہنچتی ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ جو چپ رہنے کا حکم ہے، وہ محض سننے کے لیے نہیں ہے' سننے کے لیے بھی ہے اور حرمتِ وعظ' حرمتِ خطبہ اور حرمتِ تلاوت کو قائم رکھنے کے لیے بھی ہے۔ اس لیے کہ جب بولا جائے گا، اس کے درمیان جو کلام کیا جائے گا تو تلاوت کی حرمت ختم ہو جائے گی، وعظ کی حرمت ختم ہو جائے گی، خطبہ کی حرمت ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا فقہاء بالاتفاق فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دور بیٹھا ہوا ہے یا کچھ لوگ دور بیٹھے ہوئے ہیں۔ خطبہ کی آواز جہاں تک نہیں جا رہی ہے یا وعظ کی آواز نہیں جا رہی ہے یا قاری کی آواز نہیں جا رہی ہے......ان لوگوں کو بھی یہ فرض ہے کہ وہ چپ بیٹھیں جبکہ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ابھی قاری قرأت کر رہا ہے یا خطیب خطبہ دے رہا ہے یا واعظ وعظ کر رہا ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ یہ حکم چپ رہنے کا محض استماع کے لیے نہیں ہے۔ محض یہ سننے کے لیے نہیں ہے بلکہ حرمتِ قرآن کو قائم رکھنے کے لیے بھی ہے۔ قرآن کی تلاوت کے دوران اگر بولنا جائز ہوتا تو تلاوت ہی کی رخصت ہوتی کہ ہم تلاوت کر رہے ہیں، دوسرا تلاوت شروع کر دے اور اگر یوں نہ سہی جب تک جتنے لمحوں میں قاری وقف کرتا ہے، خاموش رہتا ہے تو اس کے سکتے میں تلاوت کرے لیکن سکتوں میں بھی تلاوت جائز نہیں ہے، نہ اس تلاوت کے دوران دوسروں کو تلاوت کرنے کا حکم ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ جو ہم لوگ ''حق نبی''، صلی اللہ علیہ وسلم کا نعرہ لگاتے ہیں اُس وقت اس نعرہ کا حکم نہیں ہے۔ آپ دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود پڑھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دل میں ''حق نبی'' کا نعرہ لگائیں۔ یعنی ذکر قلبی جاری رہے تو یہ منع نہیں ہے۔ ذکر لسانی سے اللہ

تبارک وتعالیٰ نے قرآن کی تلاوت کے دوران منع کیا ہے اور ہماری شان یہ ہے کہ جہاں ہم کو روکا گیا ہے وہیں رک جائیں اور جو ہم کو کرنے کا حکم دیا ہے، وہ ہم کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

(تقریر ختم ہوئی)

اس جلسے میں حیدرآباد کے جید علماءِ کرام ومشائخ عظام موجود۔ تھے سب نے اس نکتہ پر آفرین کہا اور محسوس کیا کہ حضرت نے بروقت ایک دینی مسئلہ پر رہنمائی فرمائی ہے اور امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے خاندان کا فرد ہونے کا حق ادا کیا ہے......اس جلسہ میں کچھ ایسے حضرات بھی موجود تھے جو بزعم خود اکابر کے ساتھ برابری کی خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں اور خود کو علم وفضل کا ماہر گردانتے ہیں۔

ان ہی میں ایک صاحبزادے جو ابھی نوعمر نوجوان اور جوشیلے ہیں موجود تھے' ان سے برداشت نہ ہوا اور انہوں نے دوسرے دن علی الصبح' حضرت کی خدمت میں اپنی کم علمی کے اعتراف کے ساتھ ایک استفسار روانہ کیا۔ حضرت نے اس کا جواب فوری دیا۔ ذیل میں وہ سوال وجواب بھی ہدیۂ قارئین ہے۔

صاحبزادے کا خط

واجب الاحترام گرامی مرتبت مولانا اختر رضا خانصاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

رات کو جلسہ میں ''حق نبی'' کی ممانعت کے سلسلے میں آنجناب نے جو فتویٰ بیان فرمایا ہے اس کو سن کر ذہن میں کچھ استفسار پیدا ہو گئے، جن کو سپردِ قلم کر کے ارسال کر رہا ہوں۔ اُمید ہے حضرت میری اس جسارت کو کم فہمی اور بے علمی پر محمول کرتے ہوئے درگزر فرمائیں گے اور جواب سے سرفراز فرما کے میرے علم میں اضافہ فرمائیں گے۔

(الف) ''حق نبی'' کی ممانعت کی آنجناب نے جو دلیل ذکر فرمائی ہے۔

اس کی رو سے ''آیت صلوٰۃ'' کے بعد لوگ جو درود شریف پڑھتے کیا وہ بھی ممنوع نہیں ہو جائے گا؟ کیونکہ عموماً دُعا میں اس آیت کے بعد یہ آیت آخر میں پڑھی جاتی ہے۔ سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. تو آپ کے ارشاد کے مطابق تلاوت کے درمیان کا وقفہ اور سکوت قابلِ اعتبار نہیں بلکہ وہ تلاوت ہی شمار ہوگا۔ تو اس طرح لوگوں کا درود شریف پڑھنا اثنائے تلاوت واقع ہونے کی بنا پر بفحوائے آیۂ شریفہ فَاسْتَمِعُوْا لَه وانصتوا ممنوع ٹھہرا......؟

(ب) مظاہرۂ حسنِ قرأت کے موقع پر جب قراء تلاوت کرتے ہیں تو اثنائے تلاوت مجمع کی طرف سے اللہ۔ اللہ۔ ماشاء اللہ۔ سبحان اللہ کی صدائیں بطور داد وتحسین بلند ہوتی ہیں۔ آپ کی دلیل کی بنا پر یہ بھی ممنوع قرار پائیں گی؟......جبکہ اس پر عالم کے مسلمانوں کا برسہا برس سے تعامل چلا آ رہا ہے۔ لاکھوں علماء اور مشائخ، فقہا اور مفتیانِ کرام نے ایسی محافل کو دیکھا بھی ہے اور اس میں خود شرکت بھی کی ہے لیکن اس کے خلاف آج تک کسی نے فتویٰ نہیں دیا۔ اور اگر یہ جائز تھا تو ''ما ھو جوابکم فھو جوابنا''......

(ج) نماز میں جب امام قرأت کرتا ہے تو سورت فاتحہ اور سورت دیگر کے درمیان ''آمیـــــن'' کہتے ہیں، تو کیا وہ آپ کی دلیل کی رو سے ممنوع نہیں ہو جائے گا؟ کیونکہ آپ کی نظر میں یہ وقفہ غیر معتبر ہے، لہٰذا اثنائے تلاوت ''انصتوا'' پر عمل نہ ہوا اور ''آمین'' کہنا بھی ناجائز ٹھہرا؟

اُمید ہے کہ آنجناب اپنے کریمانہ اور محققانہ ارشادات سے اس ناسمجھ اور کم عقل کی تشفی وتسلی کا سامان مہیا فرمائیں گے۔

فقط: محمد زبیر نقشبندی

۲۹/ جون ۱۹۸۹ء

۹۲/۷۸۶

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب.

گرامی قدر حضرت صاحبزادہ صاحب سلام مسنون

میرا کلام وقف قرأت کے بارے میں ہے نہ کہ وقف قطع کے سلسلے میں۔ وقف قرأت میں قاری قرأت کے لیے وقف کرتا ہے اور بعد وقف وہ قرأت کے لیے مستعد ہوتا ہے، لہٰذا معاً قرأت شروع کر دیتا ہے اور کسی شے کے لیے مستعد کا حکم وہی ہے جو اس کے فاعل کا حکم ہے۔ اور یہ امر شرعاً وعرفاً معروف ومعلوم ہے وله نظاير في الفروع لا تخفى على مطلع، وقف قطع کا معاملہ اس کے برخلاف ہے۔ اس صورت میں قاری بہ نیت قطع قرأت وقف کرتا ہے۔ آپ نے جو صورت تحریر کی وہ وقف قطع کی ہے، یعنی قاری وہاں قرأت ختم کر دیتا ہے اور سامعین کو آیت درود پڑھنے کا وقفہ دیتا ہے، پھر بعد درودخوانی قرأت ستانفہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اس جگہ استعاذہ پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ بعض قراء کا معمول ہے تو قرأت سابقہ آیت درود پر ختم ہوگئی، اس کے بعد درود پڑھنا دورانِ قرأت میں درود پڑھنا نہیں۔ والله تعالىٰ اعلم.

۲- یہ بھی ممنوع ہے اور تعامل مسلم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳- وہاں آمین کہنے کا حکم ہے اور ولا الضالین پر وقف قطع قرأت کے لیے ہوتا ہے، پھر قرأت مستانفہ ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر محمد اختر رضا خاں قادری ازہری غفرلہٗ

۲۵ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ

○ **تصدیق**: مولانا مفتی محمد یامین رضوی۔ بنارس

۷۸۶

الجواب صوابٌ واللہ تعالیٰ اعلم

محمد یامین رضوی مرادآبادی

خادم جامعہ حمیدیہ رضویہ، بنارس

یہ جواب مولوی محمد زبیر نقشبندی کی سمجھ میں نہ آیا...... تو موصوف نے پھر سوال بھیجا اور مزید استفہام کیا۔ ملاحظہ ہو......

مخدومی ومطاعی زید مجدکم العالی۔

ایک بار پھر زحمت دے رہا ہوں جس کے لیے صمیم قلب سے معذرت خواہ ہوں۔

آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر لیکن وقف کے بارے میں مندرجہ بالا تقسیم اور اصطلاح آج تک کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزری اور اگر بالفرض لامناقشۃ فی الاصطلاح کے تحت آپ کی ایجاد کردہ یہ اصطلاح اور تقسیم مان بھی لی جائے تو ذہن ان دونوں کے درمیان کسی واضح فرق کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ آنجناب کے کلام سے وقف قرأت اور وقف قطع کی جو تعریفیں سمجھ میں آ رہی ہیں وہ جامع و مانع نہیں اور ایک دوسرے پر صادق آ رہی ہیں...... مثلاً ''علی النبی'' پر آپ کی نظر میں وقف قرأت ہے اور بقول آپ کے ''یہاں قاری قرأت کے لیے وقف کرتا ہے اور بعد وقف وہ قرأت کے لیے مستعد ہوتا ہے اور معاً قرأت شروع کر دیتا ہے'' تو یہی صورت بعینہٖ ''وسلّموا تسليما'' اور ''ولا الضالين'' کے وقف میں بھی پائی جاتی ہے۔ جتنا وقفہ پہلی صورت میں ہے بعینہٖ اتنا ہی وقفہ دوسری صورتوں میں ہے۔ جس حیثیت اور جس نیت سے پہلی صورت میں وقفہ ہے، اس ہی حیثیت اور نیت سے دوسری صورتوں میں بھی وقفہ ہے۔ لہٰذا کیا وجہ ہے کہ دوسری صورتوں کو وقف قرأت میں شامل نہ کیا جائے......؟

ادھر وقف قطع کی تعریف کا مدار آپ نے یہ فرما کے قاری کی نیت پر رکھ دیا کہ......
''وقف قطع میں قاری بہ نیت قطع قرأت وقف کرتا ہے'' تو اگر ''على النبی'' پر قاری بہ نیت قطع قرأت یعنی لوگوں کو حق نبی کہنے کا وقت دینے کے لیے وقف کرے تو یہی وقف قرأت وقف قطع بن جائے گا۔

دراصل قرأت کا ''انقطاع'' چاروں صورتوں میں کہیں نہیں ہے، لہٰذا وقف قطع کی اصطلاح ناقابلِ فہم ہے۔ کیونکہ جس طرح قاری نے وسلّموا تسليما اور

ولاالضالین پروقف کر کے سامعین کو دُرود پڑھنے اور آمین کہنے کا وقفہ دیا (لیکن قرأت منقطع نہیں کی) یعنی اسی طرح "علی النبی" پروقف کر کے قاری نے لوگوں کو "حق نبی" کہنے کا وقفہ دیا (یہاں بھی قرأت منقطع نہیں کی) لہٰذا وسلموا تسلیما اور ولاالضّالین میں اگر اس کی نیت کا اعتبار ہے تو علی النبی میں بھی اس کی نیت کا اعتبار ہونا چاہیے، جبکہ ظاہراً تمام صورتیں یکساں ہیں......

تعامل فقہاء مسلمین اور اجماعِ امت بہر حال فقہ کا ایک اہم ماخذ اور ایک اہم ترین دلیل ہے۔ جس کا بغیر کسی دلیل کے آسانی سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

محمد زبیر نقشبندی

۳۰ / جون ۸۹ء

حضرت نے اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا

۹۲/۷۸۶

الجواب: اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعهٗ وارناالباطل باطلا وارزقنا اجتنابه.

گرامی قدر صاحبزادہ صاحب سلام مسنون

وقف قرأت اور وقف قطع کی اصطلاح فقیر کی ایجاد کردہ نہیں ہے۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔ عبارت مع قید صفحہ کتاب دستیاب ہونے پر پیش کر دوں گا، ان شاءاللہ

افادہ الامام الجلال السیوطی فی الاتقان۔ آمین اور تمام آیت (وسلموا تسلیما) سے یہاں الزام دینا صحیح نہیں۔ قاری ان دونوں جگہوں پر قرأت منقطع کرتا ہے، چنانچہ وہ خود بھی قرأت ختم کر کے آمین کہتا اور درود پڑھتا ہے۔ اور یہاں وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ بحکم وقف ما بہ عند انقطاع نفس ٹھہرتا ہے اور یہ ہر شخص سمجھتا ہے کہ قاری

نے ہنوز قرأت ختم نہ کی بلکہ اسے ابھی پڑھنا ہے اور خود جناب کو بھی یہ مسلّم ہے، چنانچہ خود آپ رقم طراز ہیں تو اگر علی النبی پر قاری بہ نیت قطع قرأت لوگوں کو حق نبی کہنے کا وقفہ دینے کی نیت سے وقف کرے تو یہی وقف قرأت' وقف قطع بن جائے گا اور جب آنجناب کو بھی یہ تسلیم ہے کہ قاری نے قرأت منقطع نہ کی تو یقیناً قرأتِ سابقہ جاری ہے تو جب تک قرأت جاری ہے انصات وسکوت فرض ہے......لم تعالیٰ واذ قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا الآیۃ اور جب قرأت جاری ہے تو اس وقفۂ قلیلہ کا اعتبار نہیں اور قرأت کے دوران سامع کو بولنے کا اختیار نہیں اور قاری کی طرف سے رخصت زنہار نہیں، نہ اسے یا کسی کو دورانِ قرأت رخصت دینے کا اختیار۔ واللہ تعالیٰ هوا لموفق و هو تعالیٰ اعلم.

میں نے تعامل کا انکار نہیں کیا بلکہ مجھے حق نبی پر دعویٰ تعامل مسلم نہیں ہے۔

فقیر محمد اختر رضا خاں ازہری قادری غفرلہ

شب ۲۷ / ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ

○ **تصدیق:** مفتی محمد یامین صاحب رضوی مرادآبادی

ہذا الحکم المفتی المطاع حقیق بالاتباع

محمد یامین الرضوی المرادآبادی

دارالافتاء جامعہ حمیدیہ رضویہ مدنپورہ بنارس

نوعمر صاحبزادے کی عقل "سلیم" اب بھی مسئلہ سمجھنے سے قاصر رہی تو انہوں نے ایک بار پھر سوال قائم کیا اور حضرت کو بھیجا اور ایک بار پھر اپنی کم علمی اور ناقص العقلی کا اعتراف کرنے کے ساتھ اپنی بے ادبی اور گستاخی کی حرکت کا اعتراف بھی کیا۔

مخدومی ومطاعی دامت برکاتہم العالیہ

جلسہ سے آنے کے بعد رات کو آپ کی تحریر پر غور کرتا رہا۔ اس ناقص عقل میں ایک خدشہ یہ بھی پیدا ہوا کہ قرآن نے قرأت میں دو حکم مرتب فرمائے ہیں۔ ایک استماع کا، دوسرا انصات کا۔ اگر آنجناب کے ارشاد کو تسلیم کرتے ہوئے سکوت کے اس وقفہ کو بھی قرأت میں شمار کیا جائے تو قرآن کے ایک حکم انصات پر تو عمل ہو جائے گا لیکن دوسرے استماع کے حکم پر عمل کس طرح ممکن ہوگا؟...... یا تو معاذ اللہ قرآن کا ایک حکم لغو اور نا قابلِ عمل ہو جائے گا' یا پھر تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی جو عقلاً اور نقلاً محال ہے؟...... کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ مذکورہ بالا آیۂ شریفہ میں شرط قرأت حکمی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور اذا فات الشرط فات المشرُط کے تحت قرأت حقیقی کے انتفاء پر استماع اور انصات والے مشروط بھی منتفی ہو جائیں گے؟

ایک چیز اور قابلِ غور ہے کہ آیۂ مذکورہ بالا میں استماع اور انصات دونوں حکموں کو واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے جو جمع کے لیے آتا ہے۔ لہٰذا اگر استماع محقق نہیں ہوگا تو انصات بھی ضروری نہیں رہے گا۔ "فائی عن المنبر" کا جزئیہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جہاں قرأت حقیقی کے باوجود استماع نہ ہونے کے سبب انصات کا حکم بھی ضروری نہیں رہا۔

"کما فی العنایة علی الهدایة وقال بعضهم قرأة القرآن اولیٰ وهو اختیار الفضلی لان الامر بالانصات انما کان لاجل الاستماع للتدبر وحیث فات ذالک یقرء القرآن احرازً الثوابه وکذا فی فتح القدیر انه السکوت للاستماع لا مطلقاً و حاصل الاستدلال بالآیة ان المطلوب امر ان الاستماع والسکوت فیعمل بکلّ منهما".

(فتح القدیر وعنایہ شرح ہدایہ ص ۲۴۱)

امید ہے اس بے ادب کی ان گستاخانہ حرکتوں کو درگزر فرماتے ہوئے آنخضرت اپنے مشفقانہ کلمات سے سرفراز فرمائیں گے۔

محمد زبیر نقشبندی
یکم جولائی ۱۹۸۹ء

............☆☆☆☆............

حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں چونکہ اس وقت چونکہ کراچی جا رہے تھے چنانچہ آپ نے دارالعلوم احسن البرکات کے نائب مفتی فاضل نوجوان ابوالوفا مولانا سید محمد عظمت علی شاہ صاحب نوری سے فرمایا کہ مولانا آپ ان کو فوری جواب لکھیں، فقیر ان شاءاللہ کراچی جا کر مفصل جواب لکھے گا۔

چنانچہ مولانا سید عظمت علی شاہ صاحب نے مولوی محمد زبیر نقشبندی کو جو عالمانہ جواب دیا، وہ بھی نذر قارئین ہے۔

اس جواب میں فاضل نوجوان نے محمد زبیر نقشبندی کے علم کی نہ صرف دھجیاں بکھیر دیں بلکہ ان پر چند اعتراض بھی وارد کر دیئے، ملاحظہ ہو۔

صاحبزادے کو مولانا سید محمد عظمت علی شاہ کا جواب

برادرم مولانا محمد زبیر صاحب زید حبہٗ

سلام مسنون!

محترم المقام حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں قبلہ دامت برکاتہم کی تقریر پر آپ نے اپنے مکتوب کے ذریعے جو اشکال پیش کیا، حضرت اس کا جواب کراچی جا کر لکھیں گے۔ تاہم حضرت نے فقیر سے فرمایا تھا کہ میں اس کا جواب لکھ دوں۔ چنانچہ حضرت کے حکم پر فقیر نے چند سطور تحریر کی ہیں جو آپ کے علم میں اضافہ کے لیے پیش خدمت ہیں۔

آپ نے اپنے مکتوب میں سوال قائم کیا کہ "قرآن نے قرأت پر دو حکم مرتب

فرمائے ہیں۔ایک استماع کا دوسرا انصات کا۔اگر وقفہ کو بھی قرأت ہی شمار کیا جائے تو قرآنی حکم "انصات" پرعمل ہوگا لیکن دوسرے استماع کے حکم پر عمل کس طرح ممکن ہوگا؟ ......یا تو قرآن کا ایک حکم لغو اور نا قابلِ عمل ہو جائے گا یا پھر تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی، جو محال ہے" تو واضح ہو کہ "وقفہ" کی صورت میں بھی دونوں پر عمل ممکن ہے۔یعنی انصات پر تو حقیقی صورت میں اور استماع پر حکمی صورت میں۔تو اس میں نہ تو کوئی حرج ہے اور نہ ہی کوئی محال لازم آیا اور نہ قرآن کریم کا کوئی حکم لغو ہوا (وامثالهٔ کثیرة فتدبر) آپ نے لکھا کہ آیۂ مذکورہ بالا میں استماع اور انصات دونوں حکموں کو واؤ کے ساتھ ذکر کیا جو جمع کے لیے آتا ہے لہٰذا اگر استماع متحقق نہیں ہوگا تو انصات ضروری نہیں رہے گا، اس کی تائید میں آپ نے نائ عن المنبر کا جزئیہ پیش کیا۔لیکن اس کے ساتھ عنایہ کی عبارت ادھوری پیش کی ہے، حالانکہ اُصولِ تحریر کے مطابق آپ پر لازم تھا کہ آپ پوری عبارت نقل فرماتے۔رہا یہ مسئلہ کہ اگر استماع متحقق نہ ہوتو حکم انصات نہ صرف عین ممکن بلکہ لازم ہے۔چنانچہ کافی شرح وافی میں ہے۔

الاحوط السکوت لانه مامور بالاستماع والانصات اذا قرب من الامام و عندالبعد ان لم یقدر علی الاستماع فقد قدر علی الانصات فیجب علیه.

آپ کا یہ فرمانا کہ استماع متحقق نہیں ہوگا تو انصات بھی ضروری نہیں رہے گا، کافی کی مذکورہ بالا عبارت سے باطل ہو جاتا ہے۔اس لیے کہ دور ہونے کے سبب استماع پر اگرچہ قادر نہیں، صرف انصات پر قادر ہے، تو ایسے شخص پر انصات ہی واجب ہے۔اب عنایہ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیے جسے آپ نے نقل نہیں کیا۔

"واما اذا کان نائیا، عنه بحیث لایسمع الخطبة فقد اختلفوا فی أن قراة القرآن اولیٰ ام الانصات روی عن محمد بن سلمة انه قال الانصات اولیٰ وهواختیار

الکرخی و قداختاره المصنف لان المامور به عند قراءة القرآن سبّأن الاستماع والانصات فاذا تهیأ له العمل باحدهما عمل امتثالاً للامر بحیث الامکان وقال بعضهم قراءة القرآن اولیٰ وهو اختیار الفضلی لان الامر بالانصات انما کان لاجل للستماع للتدبر وحیث فات ذلک یقرء القرآن احراز الثوابه." (عنایه)

آپ نے یہ تمام عبارت اُڑا دی جو اُصولِ تحریر کی خیانتوں میں سے ایک ہے اور مرجوح قول کو نقل کر دیا جبکہ پہلے قول کی موافقت میں امام کرخی کے ساتھ خود مصنف علیہ الرحمۃ بھی ہیں اور آپ کے پیش کردہ قول میں صرف فضلی ہیں جس کو صاحب عنایہ نے "قال بعضهم" سے بیان کیا۔پھر آپ نے فتح القدیر کی عبارت بھی مکمل تحریر نہیں فرمائی، صرف درمیانی عبارت کو لیا جو آپ کے مطابق تھی۔حالانکہ دیانت تحریر یہ تھا کہ مکمل عبارت نقل کی جاتی اور ساتھ ہی صاحب فتح القدیر نے جو نتیجہ اخذ کیا اس کو بھی ملاحظہ کیا جاتا تو فاضل مقرر حضرت علامہ اختر رضا خاں صاحب کی تقریر پر اشکال نہ ہوتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ذیل میں پوری عبارت اور صاحب فتح القدیر کا نتیجہ پیش خدمت ہے۔

(قوله النص) یعنی قوله تعالیٰ واذ قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا...... والانصات لا یخص الجهریة لانه عدم الکلام لٰکن قیل انه السکوت...... للاستماع لا مطلقاً و حاصل الاستدلال بالآیة ان المطلوب امر ان الاستماع والسکوت فیعمل بکل منها والاوّل یخص الجهریة والثانی لا...... فیجری علیٰ اطلاقه فیجب السکوف عندالقراة مطلقاً. (فتح القدیر)

صاحب فتح القدیر ارشاد فرماتے ہیں کہ انصات قرأت جہریہ کے ساتھ خاص نہیں

ہے اس لیے کہ عدم کلام ہے لیکن کہا گیا (قیل) جو کہ عام طور پر ضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ سکوت استماع کے لیے ہے نہ کہ مطلقاً اور استدلال آیۃ سے حاصل یہ ہے کہ مطلوب دو امر ہیں استماع اور سکوت۔ تو ان میں سے ہر ایک پر عمل کرے گا، اس کے بعد مصنف نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ سکوت "عند القراۃ مطلقاً واجب ہے اور مسئلہ مابہ النزاع حکماً قراءۃ ہے کما مَرَّ۔ علاوہ ازیں صاحب فتح القدیر نے فصل القراءۃ میں کذالک فی الخطبۃ کے تحت ارشاد فرمایا کہ احوط قول یہ ہے کہ سکوت اختیار کرے اور لکھا کہ

هذا اذا كان بحيث يستمع فاما النائ فلا رواية فيه من المتقدمين واختلفوا المتاخرون والاحوط السكوت يعنى عدم القراة والكتابة ونحوها كلا لكلام المباح فانه مكروه فى المسجد فى غير حال الخطبة فكيف فى حالها.

اور اس کی مثال یہ ہے کہ مسجد میں مباح کلام خطبہ کی حالت کے علاوہ بھی مکروہ ہے اور پھر خطبہ کی حالت میں بدرجۂ اولیٰ قرأت کی ممانعت ہے اور دوسرے مقام پر صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

لفرضية الاستماع الا ان يقرأ لخطيب قوله تعالىٰ ياايها الذين آمنوا صلوا عليه الآيه فيصلى السامع فى نفسه واختلفوا فى النائى عن المنبر والاحوط هو السكوت اقامة لفرض الانصات. (ہدایہ)

یعنی محتاط چپ رہنا ہے تاکہ فرض انصات قائم ہو جائے۔ یہاں بھی منصف کے قول محتاط کو چھوڑ کر آپ نے قولِ ضعیف نقل کیا ہے، جو آپ کو زیب نہیں دیتا۔ علاوہ ازیں سامع کے بارے میں ہمارے ائمہ رضی اللہ عنہم مختلف ہیں۔ امام ثانی حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف بحالت خطبہ سکوت واجب ہے۔ قبل شروع و بعد ختم و

بین الخطبتین دعا وغیرہ اور دینی گفتگو کی اجازت ہے۔ اور امام الائمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ خروج امام سے ختم نماز تک عند التحقیق دینی اور دنیاوی ہر طرح کے کلام یہاں تک کہ امر بالمعروف اور جواب السلام بلکہ مخلِ استماع ہر قسم کے کام سے منع فرماتے ہیں، اگر چہ کلام آیت ہو اگر چہ خطیب سے دور بیٹھا ہوا ہو کہ (نائی) یعنی خطبہ سننے میں نہ آتا ہو۔ امام ثالث محرم المذہب محمد ابن حسن رحمۃ اللہ علیہ بین الخطبتین میں امام اعظم کے اور قبل اور بعد میں امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں۔ درمختار میں ہے۔

اذ خرج الامام من الحجرة والا فقيامه للصعود شرح المجمع فلا صلاة ولا كلام الىٰ تمامها ولو تسبيحاً اورد سلام او امر المعروف بلا فرق بين قريب و بعيد وقالا لا باس بالكلام قبل الخطبة و بعدها واذا جلس عندالثانى والخلاف كلام يتلعق بالاخرة اما غيره فيكره اجماعاً.

امام اہلسنّت کے نزدیک تحقیق یہی ہے، اگر چہ یہاں اختلافِ نقول حد اضطراب پر ہے۔ اس تحقیق کی بنا پر حاصل کلام یہ ہے کہ مقتدی دل میں دعا مانگے کہ زبان کو حرکت نہ ہو تو بلا شبہ جائز ہے۔ مذکورہ بالا تین اقوال میں امام ابو حنیفہ کا قول مفتی بہ ہے۔ جب امام خطبہ کے لیے چلے تو سلام و کلام یہاں تک کہ جواب سلام اور امر بالمعروف کو بھی منع کیا گیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ) الحدیقۃ الندیۃ میں ہے:

قال فى النهاية اذا كان بحيث لا يسمعها رواية فيه من اصحابنا فى المبسوط وقد اختلف المشائخ المتاخرون فيه فعن محمد بن سلمة الانصات اولىٰ وعن نصير بن يحيىٰ انه كان بعيد او كان يحرك شفتيه بالقرآن وفى العناية ان الانصات مختار الكرخى و صاحب الهداية وقال بعضهم القرآة اولىٰ وهو اختيار الفضلى.

ردالمحتار میں فیض سے ہے: الاحوط السکوت وبه یفتیٰ قول بعض بھی ضعیف ونامعتمد ہے۔ صحیح یہی ہے کہ دور ونزدیک سب پر سکوت واجب اور کتابت قرأت جمیع اعمال ناجائز۔ (فتاویٰ رضویہ)

طحطاویہ میں زیرِ قول مذکور مراقی ہے:

قوله غير ممتنعة المعتمد المنع۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ اس کے بعد رقم طراز ہیں۔ واقــــول و حـمـلـه كـلام الـكـمـال عـلى القريب بعيد كل البعد فان الكمال صرح بخلافه كما سنمعك نصه.

درمختار میں فیض علامہ کرکی سے ہے:

لو كان بعيدً الا يسمع الخطبة ففى حرمة الكلام خلاف كذا فى قراة القرآن والنظر فى الكتب وعن ابى يوسف انه كان ينظر فى كتابه ويصححه بالقلم والاحوط السكوت و به يفتىٰ.

جواہر الاخلاطی میں ہے:

النائى عن الامام فى استماع الخطبة كالقريب والانصات فى حقه.

ھو المختار ہندیہ میں "تبیین الحقائق امام زیدی سے ھو الاحوط محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

ھو الاصح.

شرح نقایہ برجندی میں خزانہ سے ہے:

ھو الاولیٰ ہدایہ وایضاح الاصلاح میں ہے:

اختلفوا فى النائى عن المنبر والاحوط السكوت (زاد فى الهدايه)

اقامة لفرض الانصات. ملتفى الابحر ومجمع الانهر میں ہے (النائى) اى البعيد الذى لايسمع الخطبة (والدانى) اى القريب (سواء) فى وجوب الاستماع والانصات امتثالاً للامر تنویر میں ہے (البعيد عن الخطيب (القريب سئيّان) فى افتراض الانصات انہیں میں ہے: يحب عليه ان يستمع ويسكت (بلافرق بین قریب وبعید) فى الاصح محيط كنز الدقائق و بحر الرائق میں (النائى كالقريب) ھو الاحتياط الغرر والدرر میں ہے (البعيد) عن الخطيب (كالقريب) فى وجوب الاستماع والانصات.

عبارت سابقہ۔ تو واضح تھا ہی کہ سننا جو فرض ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ کان میں آواز پہنچے، اگرچہ آپ دوسرے کام میں مشغول ہوں ورنہ کھانا' پینا' چلنا گردن پھیر کر دیکھنا کیوں حرام ہوتا کہ ان میں کونسا کام کان میں آواز جانے کے منافی ہے، بلکہ اس کے یہ معنی کہ ہمہ تن اس طرف متوجہ ہو اور دوسرے کسی کام میں مشغول نہ ہو۔ مگر ان عبارات لاحقہ نے اور بھی واضح تر کر دیا کہ سراپا تمام اعضا سے اسی طرف متوجہ رہنا خود واجب ہے کہ بعید کے لیے کان میں آواز بھی نہیں مگر قول صحیح و معتمد و مختار و مفتیٰ بہ یہی ہے کہ اسے بھی اور اعمال میں مشغولی حرام ہے۔

یہ تمام حقائق نائی عن المنبر کے بارے میں ہیں جو خطبہ نہیں سن رہا۔ اس میں بھی تمام متقدمین علماء کے نزدیک مفتیٰ و مختار قول سکوت ہے، جیسا کہ ذکر کیا گیا لہٰذا قریب والا شخص جو قرات قرآن سامنے بیٹھا ہوا سن رہا ہے اس کے لیے بدرجۂ اولیٰ سکوت کا حکم ہوا' استماع خطبہ سے زیادہ مؤکد استماع قرآن کا حکم ہے، اس لیے کہ خطبہ میں تو انسانی کلام بھی ہے اور آیت قرآن کے علاوہ صحابہ و تابعین کا ذکر بھی ہوتا ہے لیکن قاری تو صرف کلام اللہ تلاوت کرتا ہے، اس لیے اس کا استماع زیادہ مؤکد۔ فتدبر

(سید محمد عظمت علی بن سید محمد بشارت علی)

۳/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

مولوی محمد زبیر سے ان باتوں کا جواب تو بن نہ پڑا لہٰذا وہ اپنی وہی راگنی الاپتے رہے۔ بلکہ انہوں نے اس علمی گفتگو کے جواب میں اپنے ایک سابق طالب علم کے نام سے لفظی بحث کی اور نہایت غیر مہذب اور غیر شریفانہ طریقے سے اپنی کم علمی کا ماتم کرتے ہوئے جو کچھ لکھا وہ قارئین کے سامنے حاضر ہے۔

صاحبزادے کا جواب

۷۸۶_۹۲

۸/ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ

عزیزم مولوی عظمت علی شاہ صاحب

السلام علیکم

حق نبی کے سلسلے میں......صاحبزادہ......محمد زبیر...... نے حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں صاحب مدظلہ کو جو اعتراضات روانہ فرمائے تھے ان میں سے چند ضمنی سوالات کے جوابات دینے کی جو آپ نے سعیٔ لا حاصل کی ہے، وہ نظر سے گزری۔

حقیقت تو یہ ہے کہ......صاحبزادہ صاحب کا حضرت قبلہ مفتی صاحب سے جو کئی بار تحریری دلائل کا تبادلہ ہوا ہے وہ پوری بحث آپ کے سامنے نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو آپ اصل بحث کو سمجھ سکے اور نہ اصل دلائل سے واقفیت حاصل کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اصل بحث سے ہٹ کر ایک قول کو مرجوح ثابت کرنے کی لا حاصل طویل بحث میں آپ نے سارا زور لگا دیا اور صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے اور اتنی سی بات نہیں سمجھ سکے کہ جو دعویٰ معتبر، صحیح احادیث، مفتی بہ اور مستند اقوالِ فقہا، اجماع اور تعامل سے ثابت کیا جا چکا ہو اس کی تائید میں بالفرض اگر کوئی مرجوح اور ضعیف قول بھی لایا جائے تو ایسی کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑتی کہ آسمان سر پر اُٹھا لیا جائے۔ بلکہ مذکورہ بالا اُمور سے مویّد ہونے کی بنا پر وہ

ضعیف قول بھی اس بنا پر قابلِ استدلال بن جاتا ہے۔ اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ اگر آپ نے پڑھے ہوتے تو شاید اس قسم کا اعتراض آپ کبھی نہ کرتے کیونکہ اصل حدیث کی رو سے ایک ضعیف حدیث مويد بالتعامل ہونے کی وجہ سے قابلِ استدلال بن جاتی ہے۔

(کما صرح به الجصاص فی احکام القرآن و غیر واحد من المحدثین والاصولیین)

آپ کے علم میں اضافے کے لیے ایک مثال بھی پیش کیے دیتا ہوں، دیکھیے طلاق الامة نطلیقتان وعدتها حیضتان . حدیث ضعیف ہے لیکن تعامل کے سبب قابل استدلال بن گئی ہے اور فقہا کا اس پر عمل ہے۔

......صاحبزادہ...... نے تو مذکورہ مسئلے کو صرف تعامل سے نہیں بلکہ احادیثِ صحیحہ، محدثین اور فقہا کے راجح اور مفتی بہ اقوال، اجماع الغرض بہت سے دلائلِ عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت کر کے حضرت قبلہ مفتی اختر رضا خاں صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیا ہے اور اب اُن کے جواب کا انتظار ہے۔ اگر دلائل کے مطالعہ کا آپ کو شوق ہو تو...... کے دار الافتاء سے کسی وقت آ کر حاصل کر لیں۔

جہاں تک استماع حکمی کی تاویل کے ذریعے حضرت قبلہ صاحبزادہ صاحب کے ایک سوال کا جواب دینے کی آپ نے کوشش کی ہے تو اس کے متعلق صرف اتنا عرض کروں گا کہ اس جواب کے چند سطور بعد آپ نے جو عربی عبارات بڑی دیانت داری کے ساتھ نقل فرمائی ہیں ان عبارات نے بھی آپ کے اس جواب کا قلع قمع کر دیا ہے اور آپ کی ساری جگر سوز کاوشوں اور کوششوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ گویا اپنے ہاتھوں تراشیدہ مجسموں کو خود اپنے ہاتھوں آپ نے دفن کر دیا۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ اپنی اختراع اور ایجاد کا خود اپنے ہاتھوں آپ نے گلا گھونٹ کر دوسروں کو الزام قتل سے بچا لیا۔ ذرا غور تو فرمائیے کہ ایک طرف تو آپ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ استماع پر حکمی صورت میں عمل ممکن ہے اور اسی کے ساتھ معتبر کتب فقہیہ کے مقتدر فقہا اور علماء کے راجح اقوال آپ نقل کرتے

ہیں، جس میں کہیں لکھا ہے "ان لم یقدر علی السماع" کہیں درج ہے "فاذا تهيها له العمل باحدهما عمل امتثالا للامر بحيث الامكان" کہیں تو یہ ہے "والاول يخص الجهر والثاني لا" کہیں لکھا ہے "اقامة لفرض الانصات" یہ اوران جیسی اکثر کتب معتبرہ ومتداولہ کی عبارات ماسوا چند نامکمل حوالوں کے آپ کے اس جواب کی تفسیر رہی ہیں۔ کیا اتنے بڑے بڑے فقہا اور مجتہدین کی اکثریت کو استماع حکمی کا جواب نہیں سوجھا؟ جوان کو کبھی یہ کہنا پڑا کہ اگر استماع پر قدرت نہ ہو۔ کبھی انہوں نے کہا کہ حتی الامکان اس حکم پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے گی' کبھی انہوں نے کہا استماع فرض ہے جہر میں سر میں نہیں' کبھی کہا کہ صرف انصات فرض ہے وغیرہ وغیرہ۔

اگر چہ......صاحبزادہ...... کے ارشاد پر اس بار یہ چند سطور بطور جواب قلم بند کر کے یہ ناچیز آپ کو ارسال کر رہا ہے، بہر حال آئندہ اس مسئلے کا جواب حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں صاحب مدظلہ ہی کو دینے دیجیے اور مسئلہ کو سمجھے بغیر خواہ مخواہ آپ جواب دینے کی زحمت فرما کر تضیع اوقات نہ فرمائیں۔ بھلا جس طالب علم کو عربی اور اردو کی عبارات بھی صحیح طریقے سے نقل کرنی نہ آتی ہوں، جو محترم کو متحرم، تحصیا کو تیھا' احواز' کو احراز، شمس الائمہ کو شمس للائمہ' البعید کو ابعید لکھے اور جس کو مفتی اور مفتی بہ' درمختار اور ردالمحتار کے درمیان فرق کا پتہ نہ ہو، وہ ایک باریک بحث کو کیا سمجھے گا، پھر جواب تو بہت دور کی بات رہی۔ خیر آپ تو اپنی جگہ مگر افسوس تو اس بات پر ہے کہ جن فاضل اصلاح نگار نے اس تحریر پر جا بجا اپنے قلم سے درستگیاں فرمائی ہیں وہ بھی ان سنگین غلطیوں پر مطلع نہ ہو سکے اور ان کی اصلاح نہ فرما سکے۔

والسلام

(.................)

شعبۂ افتا رکن الاسلام جامع مجددیہ

ہیر آباد، حیدر آباد

حضرت مولانا سید عظمت شاہ نے اس ہذیان نامہ کے جواب میں صاحبزادے کو ایک بار پھر لکھا کہ اصل بحث سے منہ نہ موڑیں اور دلائل سے بات کریں۔ (ملاحظہ ہو)

۷۸۶

۱۳؍جولائی ۱۹۸۹ء

برادرم مولانا محمد زبیر صاحب

سلام ورحمت

آپ نے حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں صاحب کی تقریر پر جو اعتراض قائم کیا تھا، فقیر نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے چند سطور تحریر کی تھیں لیکن آپ نے اس کا جواب دینے یا دلائل کو رد کرنے کے بجائے فقیر کا جواب ایک ناپختہ کے حوالے کر دیا۔ جس نے بزعم خود فقیر کی علمی بے مائیگی کا ماتم شروع کر دیا۔ حالانکہ جو کچھ ان کی تحریر سے ظاہر ہو رہا ہے وہ خود ان کی معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاحب جوشِ خطابت میں بے قابو ہوئے جا رہے ہیں اور یہ ان کے محرر ہیں۔ ورنہ وہ زبان ایسی استعمال نہ کرتے، جو زبان انہوں نے جواب میں اختیار کی۔ ان کا اس میں کیا قصور، انہیں تو ابھی یہ بھی معلوم نہیں کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔

کاش کہ (.................) کے لکھے ہوئے جواب کو آپ بھی ملاحظہ فرما لیتے، جو سوائے مہذب گالیوں کے کچھ نہیں تو شاید آپ خود شرمندہ ہو جاتے۔ بہر حال فقیر کے پیش کردہ دلائل و براہین میں سے ایک کا بھی جواب نہیں۔ اگر آپ کے پاس ان دلائل کا جواب ہو تو بیان کریں۔ جس طرح فقیر نے آپ کے ضعیف دلائل کا رد قوی دلائل سے کیا ہے (مولوی طالب علم)...... نے بڑی چرب زبانی اور اپنی لفاظی سے لفظی بحث میں اُلجھانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ دلائل کا جواب نہ دے کر اپنی علمی استعداد کے بھرم کو کھول دیا ہے اور اپنے فنِ زور بیانی کو خود پاش پاش کر دیا ہے۔

اگر واقعی آپ نے احادیث صحیحہ اور مفتیٰ بہٖ اقوال سے اپنا قول ثابت کیا ہے تو سامنے لائیں تا کہ ان دلائل کی بھی تحقیق ہو سکے۔ قبل ازیں آپ کے سوال وجواب کو فقیر نے بغور ملاحظہ کیا ہے۔ اس میں نہ تو کوئی دلیل قرآنی ہے اور نہ کوئی حدیث اور تعامل مسلمین کا جواب تو حضرت آپ کو دے ہی چکے ہیں، ذرا سے تدبّر سے کام لیتے تو آپ سمجھ لیتے۔

هاتوا برهانكم ان كنتم صدقين. فقط والسلام

محمد عظمت علی

۱۳ر جولائی ۱۹۸۹ء

صاحبزادے سے اس کا کوئی جواب بن نہ پڑا تو انہوں نے خاموشی اختیار کی اور اسی کو عافیت سمجھا۔

حضرت علامہ ازہری کا (دوسرا) تحقیقی جواب

۹۲/۷۸۶

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب.

جی ہاں! قرآن نے دو باتوں کا حکم دیا ہے اور دونوں میں ہر ایک مامور بہ ہے بہ قدر امکان ہر حکم پر عمل لازم ہے اور یہ امر خود جناب کی پیش کردہ عبارت سے ظاہر ہے۔

صاحبزادے کی علمی بددیانتی

افسوس ہے کہ جناب نے عنایہ کی عبارت ادھوری نقل کی اور یہ جناب نے اپنی مطلب برآری کے لیے کیا بحمدہٖ تعالیٰ ہم نے عبارت دیکھ کر ہی پہلی نظر میں سمجھ لیا تھا کہ جناب نے کچھ عبارت لکھی اور کچھ چھوڑی ہے تاہم یہ حرکت علمی دیانت کے خلاف ہے، بڑا افسوس کا مقام ہے کہ جناب نے قولِ مرجوح کو لے لیا جس کے مرجوح ہونے کا صاحبِ عنایہ نے قال بعضهم کہہ کر پتہ دیا اور اس سے پہلے جو لکھا اسے مختار کرخی و

صاحبِ ہدایہ بتایا۔ یہی وہ قول ہے جسے آپ اُڑا گئے اور ایک قول مرجوح (ناپسند اور رَد کیا ہوا) نامقبول پر ساری چنائی چن دی۔

پوری عبارت

اب ہم سے سنیے، پوری عبارت یہ ہے:

”واما اذا كان نائيا عنه بحيث لا يسمع الخطبة فقد اختلفوا فى ان قراءة القرآن أولٰى ام الانصات روى عن محمد بن سلمة أنه قال الانصات أولٰى وهو اختيار الكرخى وقد اختاره المصنف لان المامور به عند قراءة القرآن شيئان الاستماع والانصات فاذا تهيأ له العمل باحدهما عمل امتثالا للامر بحسب الامكان وقال بعضهم قراءة القرآن اولٰى وهو اختيار الفضلى لأن الامر بالانصات انما كان لاجل الاستماع للتدبر وحيث فات ذلك يقرء القرآن احدا ثالثوا به اھ“

یعنی رہی وہ صورت جبکہ آدمی منبر سے دور ہو کہ خطبہ نہ سنتا ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ قراءۃ القرآن اولیٰ ہے یا چپ رہنا اولیٰ ہے۔ محمد بن سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا چپ رہنا لازم ہے اس لیے کہ قراءۃ قرآن کے وقت دو باتوں کا حکم ہے ایک استماع اور دوسری چپ رہنا۔ تو جب آدمی کو ایک پر عمل میسر ہے تو تعمیل حکم کے لیے اس پر عمل کرے۔

اور بعض کا قول ہے کہ تلاوت قرآن اولیٰ ہے اور یہ قول فضلی کا مختار ہے، اس لیے کہ چپ رہنے کا حکم سننے کے لیے ہے اور وہ ممکن نہیں تو ثواب لینے کے لیے تلاوت کرے۔

اقول: عنایہ کی عبارت میں الانصات اولیٰ (انصات (خموشی) اولیٰ ہے افادہٗ

وجوب کے لیے۔ اس لیے کہ اس حکم کی دلیل یہ دی کہ قراءۃ قرآن کے وقت دو باتوں کا حکم ہے اور امر وجوب کے لیے ہے۔ اسی لیے صاحبِ ہدایہ پھر فتح نے اسے احوط (زیادہ احتیاط) فرمایا۔۔

ونصہ "واختلفوا فی النائی عن المنبر والاحوط هو السکوت اقامة لفرض الانصات اھ" (ہدایہ)

یعنی "نائی عن المنبر میں اختلاف ہے اور فرض انصات کو قائم کرنے میں احتیاط یہی ہے کہ خاموش رہے"۔

اور خود عنایہ سے گزرا کہ محمد بن سلمہ کے قول کو کرخی نے اختیار کیا اور وہی صاحبِ ہدایہ کا مختار ہے اور صاحبِ ہدایہ نے اسے احوط (زیادہ احتیاط) فرمایا تو یہ صاحبِ ہدایہ نیز فتح سے اس امر پر گویا تنبیہ ہوگئی کہ کلام محمد بن سلمہ میں جو انصات کو اولیٰ فرمایا ہے اس سے مراد احوط ہے اور احوط پر عمل ضروری ہے، فلیتنبہ فتح القدیر کی عبارت یہ ہے:

"قوله (وکذلک الخطبة) هذا اذا کان یستمع فاما النائی فلا روایة فیه عن المتقدمین واختلف المتأخرون والاحوط السکوت یعنی عدم القراءة والکتابة و نحوها کالکلام المباح فانه مکروه فی المسجد فی غیر حال الخطبة فکیف فی حالها ولانه ان لم یسمع فقد یشوش بهمهمته علی من یضرب منه وهو بحیث یسمع و کذا الامام لا یتکلم فی خلاله لان التکلم فی خلال الذکر المنظوم یذهب بهاؤه الخ".

صاحبِ فتح القدیر کی عبارت سے دوران قرأت وخطبہ ممانعت تلاوت و ذکر وغیرہ کی دو وجوہ اور مستفاد ہوئیں۔ پہلی یہ کہ اگر دورانِ تلاوت چپ نہ رہا بلکہ خود بھی تلاوت میں مشغول ہوا تو اس کی آواز اگرچہ آہستہ ہو، دوسرے کے لیے جو قرآن سن رہا ہے

تشویش کا باعث ہوگی، لہٰذا اس وجہ سے بھی اسے دورانِ قرأت ذکر وغیرہ کی اجازت نہیں۔ پھر اگر وہ قریب ہو تو ایسا کرنا اسے بالاتفاق ممنوع ہے اور اگر قاری یا خطیب سے دور ہو تو ہر مذہب مختار اس صورت میں بھی اسے چپ رہنے کا حکم ہے تاکہ اس کی آواز سے ان کو تشویش نہ ہو جو قرآن وخطبہ سن سکتے ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ اس مظنۂ تشویش سامعین (سننے والوں کی پریشانی کے گمان) کے پیش نظر نائی عن المنبر (منبر سے دور شخص) کو بالاتفاق چپ رہنے کا حکم ہو تو اگرچہ بعض فقہاء کے نزدیک نائی عن المنبر کو فی نفسہٖ قرآن پڑھنا جائز ہوگا مگر بالاتفاق دوسروں کی تأذی (تکلیف اور پریشانی) اور تشویش کی صورت میں تلاوت جائز نہ ہوگی اور چپ رہنا ہی لازم ہوگا۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ جب قاری کی قرأت سننے کا شرعاً اہتمام ہے کہ دور بیٹھنے والے کو بھی چپ رہنے کا حکم ہے تاکہ فریضۂ انصات (خاموش رہنے کا فرض) قائم رہے اور اس میں خلل نہ واقع ہو تو قاری کے بالکل قریب اس کی قرأت کے دوران کوئی ذکر اور وہ بھی نہایت بلند آواز سے کیونکر روا ہوگا۔ دوسری وجہ کلام فتح سے یہ مستفاد ہوئی کہ دورانِ قرأت وخطبہ خود قاری و خطیب کو تکلم ممنوع ہے اس لیے کہ یہ کلام مسلسل سامعین کے قلوب میں زینت کو لے جائے گا اور جب اس وجہ سے خود قاری وخطیب کو دورانِ قرأت وخطبہ کسی کلام اجنبی کی اجازت نہیں تو سامعین کو کیونکر اجازت ہوسکتی ہے۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ انصات کا حکم محض استماع کے لیے نہیں بلکہ حرمتِ قرآن کریم کو قائم رکھنے کے لیے بھی ہے۔ اسی لیے دورانِ قرأت قرآن پڑھنے کی بھی اجازت نہیں کہ استماع کا حکم مطلق دیا ہے اور سکتات و وقفات کا استثنا کہیں نہیں فرمایا۔ اسی لیے ہمارے ائمۂ کرام سکتات امام میں سبحنک اللھم پڑھنے کو منع فرماتے ہیں۔ (دیکھیں فتاویٰ رضویہ ص۶۱/ ج۳) اسی لیے مقتدی کو حکم ہے کہ اگر امام سبحنک اللھم پڑھنا بھول جائے تو مقتدی سبحنک پڑھ لے بشرطیکہ امام سرّی نماز میں سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھ رہا ہو۔ افسوس ہے کہ جناب نے فتح القدیر کی عبارت بھی بے سوچے سمجھے لکھ دی اور اس میں اِخفاءِ بعض سے کام لیا۔ فتح القدیر

میں "لکن قیل انه السکوت للاستماع لا مطلقاً" حکایت اعتراض ہے اور اسے قیل سے تعبیر کرنا اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے، پھر صاحبِ فتح نے اسے مقرر نہ رکھا بلکہ کلام ہدایہ ہی کو مقرر رکھا اور اسے مزید توضیح سے بیان فرمایا چنانچہ اس کے متصل فرمایا۔

"حاصل الاستدلال بالآیة ان المطلوب أمر ان الاستماع والسکوت فیعمل بکل منهما"

اور اتنا ٹکڑا خود جناب نے بھی نقل کیا پھر اس کے متصل فرمایا:

"والأول یخص الجهریة والثانی لا فیجری علی اطلاقه فیجب السکوت عند القراءة مطلقا"

یہ صاف صریح دلیل اس امر کی ہے کہ صاحبِ فتح القدیر کے نزدیک کلام ہدایہ میں مختار معتمد ہے کہ انہوں نے اس کے لیے آیۂ کریمہ کے اطلاق سے استدلال فرمایا اور یہ افادہ فرمایا کہ حکم انصات مطلق ہے، کچھ جہری نمازوں کے ساتھ خاص نہیں اور یہ رسم المفتی میں مقرر ہو چکا ہے "التعلیل دلیل التعدیل"، یعنی کسی مسئلے پر دلیل قائم کرنا اسے اختیار کرنے کی دلیل ہے اور پھر اس عبارت سے استناد آپ کو محض مضر ہے (دلیل لینا آپ کو نقصان دہ ہے) اور اس میں بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے لیے حجت ہے کہ جب سرّی نماز میں مقتدی کو انصات کا حکم ہے تو قرأتِ جہری میں بدرجہ اولیٰ سامع کو انصات وسکوت لازم ہے اس لیے صاحبِ فتح نے آگے چل کر صاف تصریح فرمائی ہے۔

"هذا وفی کلام اصحابنا ما یدل علی وجوب الاستماع فی الجهر بالقراءة مطلقاً"

اپنی طرف سے مسئلہ گھڑ لینا

یہ اور اس سے پہلے جو گزرا وہ عبارتیں ہیں جنہیں آپ نے چھپایا۔ انہیں دیکھ کر فرمایئے کیا سکتات قاری میں رخصت نکالنا اپنی طرف سے حکم گھڑنا ہے اور اس پر تعامل کا دعویٰ محض خلاف واقع ہے اور بالفرض ہو بھی تو ہرگز ایسا تعامل حجت نہیں کہ اجماعِ فقہا کے

خلاف ہے۔ کیا نہ دیکھا کہ شافعیہ جو قرأت فاتحہ کی اجازت نہیں دیتے بلکہ امام کو حکم دیتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر اتنا وقفہ کریں کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لیں۔

کما صرح به فی العنایة تو شافعیہ اور ائمۂ حنفیہ کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ دوران قرأت تلاوت جائز نہیں تو قرأت کے درمیان کے وہ وقفات قلیلہ قاطع قرأت نہیں۔ لہٰذا سب کے نزدیک قرأت جاری ہے اور ظاہر ہے کہ ائمہ فقہاء کا اس اتفاق واطلاق میں مستند وہی آیت کریمہ "اذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا" الآیة ہے۔

اور اس کا مفہوم ان تمام فقہا کے نزدیک وہی ہے جو فتح القدیر میں ارشاد ہوا کہ انصات کا حکم مطلق ہے تو انصات مطلقاً واجب ہے لہٰذا وقفات خلال قرأت قاطع قرأت نہیں اور ان وقفات میں تکلم کی رخصت نہیں تو ان میں تکلم نصِ قرآن کے خلاف ہے۔ اب اگر اس پر بالفرض تعامل ہو بھی جائے تو ہرگز مباح نہ ہوگا کہ تعامل نص کے خلاف محض نامعتبر اور جب فقہاء کے نزدیک آیت کریمہ سے انصات مطلق کا حکم مفہوم ہے تو آیت کا یہ مفہوم ہی نہیں کہ وقفات میں تکلم کی رخصت ہے۔ اس لیے کہ اب قرأت نہیں ہو رہی ہے، لہٰذا چپ رہنا فرض نہیں اور جب یہ مفہوم نہیں تو جو وقفات قاری کے درمیان تکلم سے منع کرتا ہے وہ مفہوم کتاب پر زیادتی کا مرتکب نہیں۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے بلکہ اس کا حکم عین فقہاء کے حکم کے مطابق اور اس کی فہم ائمہ اعلام کی فہم سے موافق ہے وللہ الحمد۔

اقول: وقفات میں تکلم کی رخصت کا وہم اس لئے ناشی ہوتا ہے کہ بعض اذہان میں یہ خیال راسخ ہے کہ قرآن نے تلاوت کو محض سننے کا دیا ہے اور انصات کا حکم اسی سماع کے سبب ہے اور وقفات میں تلاوت نہیں ہوتی، لہٰذا سماع محقق نہیں۔ اس لیے انصات لازم نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن نے استماع کا حکم دیا ہے اور استماع سماع کے مغائر ہے، اس لیے کہ استماع مصدر ہے باب افتعال کا اور اس باب کا خاصہ ہے طلب وسعی ماخذ لہٰذا استماع کا مطلب ہوا سعی سماع اور اس کے پیش نظر استمعوا کا مطلب ہوا۔

اطلبوا سماعه واسعوا السماعه.

یعنی قرآن سننے میں سعی کرو اور طلب وسعی سماع نام ہے قصدِ سماع کا اور قصد وارادہ فعل پر مقدم ہوتا ہے تو لامحالہ قرآن نے قریب تلاوت سامعین کو پہلے ہی سے مستعد سماعت رہنے کا حکم دیا اور اس لیے کہ انصات بلکہ ہر مخل استماع سے باز رہنا لازم۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جب قاری تلاوت کے لیے مستعد ہو جب ہی سے سامع پر انصات فرض ہے۔ وللّٰه الحجة السامية وللّٰه الحمد.

یہاں سے ظاہر ہوا کہ انصات کا حکم قراءۃ حقیقۃً سے مشروط نہیں بلکہ قرأت سے پہلے بھی سماع کے لیے مستعد رہنے کے لیے انصات وسکوت لازم ہے اور نسائی عن المنبر پر قیاس محض قیاس مع الفارق ہے۔

اور وہ جزئیہ جسے مقیس علیہ بنایا مفتی بہ نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ ھو الھادی وھو تعالیٰ اعلم.

فقیر محمد اختر رضا خاں الازہری قادری غفرلہ
نزیل لاہور یکم ذوالحجہ ۱۴۰۹ء

○ تصدیق:

حضرت مولانا مفتی محمد یامین رضوی بنارس

الجواب ھو الجواب موضح الحق والصّواب
لامجال فیه لریب المرتاب
وانا العبد الاوّاب الی اللہ التواب

محمد یامین الرضوی المرادآبادی ایدہٗ ذوالایادی
۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
خادم جامعہ حمیدیہ رضویہ، مدنپورہ، بنارس، یوپی

محترم قارئین! چاہیے تو یہ تھا کہ صاحبزادے اس تحقیقی جواب کو سمجھتے اور پھر اپنے اعتراضات کے جوابات پانے کے بعد حق کو حق سمجھ کر اپنے مزعوماتِ باطلہ سے رجوع کرتے اور ''دورانِ قرأت کسی بھی نعرہ'' کے اصرار پر زورِ بیان صرف نہ کرتے۔ مگر اوّلاً تو انہوں نے مولانا عظمت علی شاہ صاحب نوری کے تحقیقی جواب میں اُٹھائے گئے ایک بھی سوال کا جواب نہ دیا اور روگردانی کی کہ ان کے پاس جواب تھا ہی کیا جو لکھتے...... پھر ثانیاً صاحبزادے نے اپنے روایتی طاہری منہاجی دجل و مکر سے کام لیتے ہوئے خود ہی ایک سوال فرضی نام سے ترتیب دیا اور سوال میں یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ سوال کب اور کہاں پیدا ہوا' پھر خود ہی جواب دیا اور اپنے جواب میں قطعاً یہ ظاہر نہ کیا کہ مسئلہ حق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ بحث کس سے ہوئی بلکہ علمائے اہلِ سنت کو یہ تأثر دیا کہ اس مسئلے پر کچھ لوگوں نے جو اختلاف کیا ہے وہ عقائد اہلسنّت سے متفق نہیں۔ اور اسی تأثر کے ساتھ مختلف علماء سے اپنے جوابِ باطل پر تقاریظ لکھوائیں۔ اس لیے کہ صاحبزادے جانتے تھے کہ اگر پورے مسئلے کو حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری کے قول اور ان کے دلائل کے ساتھ پیش کر کے تقاریظ کے لیے بھیجا تو ایک عالم بھی ہرگز تقریظ نہ لکھے گا۔ پھر لطف یہ کہ بعض علماء نے جو اس بحث سے واقف تھے اپنی تقریظ میں حضرت علامہ ازہری قبلہ کا ذکر کیا بھی تو صاحبزادے نے اس کی کتابت ہی کٹوا دی اور جگہ خالی چھوڑ کر مضمون پورا کر دیا[1]۔ بہرحال حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں نے چوتھی مرتبہ بریلی شریف پہنچ کر یہ جواب بھیجا جو ہدیۂ قارئین ہے۔

[1]...... دیکھیں رسالہ حق نبی ص۴۲' ص۵۲

صاحبزادے نے اپنے رسالہ بنام ''حق نبی'' صلی اللہ علیہ وسلم میں جو دلائل دیئے ہیں ان کا تذکرہ تو حضرت کے فتویٰ میں آ ہی جائے گا پہلے یہ جان لیں کہ اگر صاحبزادے کے ان دلائل کو درست سمجھ لیا جائے تو مندرجہ ذیل سترہ ۱۷ خرابیاں لازم آئیں گی۔

(۱) صاحبزادے کی دلیل صاحبزادے کے خلاف پڑ جائے گی۔
(۲) لازم آئے گا قرآن کریم پہلے پڑھا جائے اور اعوذ باللّٰہ بعد میں۔
(۳) سماع اور استماع ایک ہی معنیٰ میں ہو جائیں۔
(۴) عربی گرامر کے لحاظ سے متعدی باللام اور متعدی بنفسہ میں کوئی فرق نہ رہے!
(۵) صاحبزادے ایک بار پھر جواب کھانے کے مجرم ہو گئے۔
(۶) لازم آئے گا کہ تلاوتِ قرآن کے دوران بات چیت جائز ہو جائے۔
(۷) آیت قرآن کیخلاف لوگوں کا عمل معتبر ہو جائے۔
(۸) قرآن کے خلاف عقل وقیاس کی بات مانی جائے۔
(۹) نماز میں بھی ''حق نبی'' کا نعرہ جائز ہو جائے۔
(۱۰) صاحبزادے کی بے خبری اور مسائل کو چھپانے کا جرم ثابت ہو جائے۔
(۱۱) نبی کی خصوصیت کا حکم عام ہو جائے۔
(۱۲) بہت سی صریح احادیث کو چھوڑ کر ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے۔
(۱۳) صاحبزادے کے دعویٰ اور دلیل میں تعارض ہو جائے گا۔
(۱۴) ثابت ہوگا کہ قاری اور سامع میں امتیاز ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔
(۱۵) جہری قرأت میں حق نبی نہ کہا جائے بلکہ سرّی میں کہا جائے۔
(۱۶) خطیب جب خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جائے تو بھی چپ رہنا واجب نہ ہوگا۔
(۱۷) کہ پورا فتویٰ ہی نمونۂ جہل بن جائے۔

ان خرابیوں کی پوری تفصیل حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں مدظلہ کے اس آخری جواب میں موجود ہے جو ہر قاری کی سمجھ میں بآسانی آئے گا......اب حضرت کا محقق و مدلل جواب ملاحظہ ہو۔ جو ان شاء اللہ مزعوماتِ باطلہ کے رَد میں آخری کیل ثابت ہوگا اور یہ ثابت ہوا کہ حق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جائز، مگر عند القرأۃ (دورانِ تلاوت قرآن) ناجائز ہے۔

جناب صاحبزادہ صاحب بعد ماھو المسنون

آپ کا مرسلہ مکتوب ہمراہ فتویٰ دربارۂ جوازِ حق نبی ہنگام تلاوتِ قرآن ملا۔ چونکہ جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ

''اپنے دلائل پر مشتمل ایک مفصل تحریر منسلک ہذا ہے ان شاء اللہ اس کے بعد آنحضرت کے تمام خدشات رفع ہو جائیں گے'' اھ ملتقطا

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مَیں آپ کے نزدیک شبہات سے متمسک ہوں اور آپ جواز ''حق نبی'' عند القرأۃ میں اُمورِ قطعیہ سے مستدل ہیں، مگر جناب کے دلائل کے ملاحظہ سے آپ کے فتویٰ میں اور وجوہ نظر نمایاں ہوئیں جو آپ کے بقول خدشات ہیں لہٰذا آپ کی بحیثیت مستدل ذمے داری ہے کہ ان کو رفع فرمائیں۔ میں فتویٰ پر بحیثیت سائل نگارش کرتا ہوں۔

نمبرا......آپ رقمطراز ہیں۔

''ایسا کرنا آیت مبارکہ وَاِذَا قراء[۱] فاستمعوا له وانصتوا کے بھی کوئی خلاف نہیں کیونکہ یہ الفاظ اس وقفہ کے دوران ادا کیے جا رہے ہیں جس میں امام تلاوت نہیں کر رہا ہے بلکہ خاموش ہے، جبکہ قرآن میں استماع اور انصات کو مشروط کیا گیا ہے واذا قــراء کے ساتھ تو جب

---

۱ کذا بخطه والصحیح کتابة هکذا قُرِئَ (صاحبزادے نے قراء لکھا ہے ورنہ صحیح طریقہ قرئ ہے)

قرأت نہیں پائی گئی تواذا فات الشرط فات المشروط کے تحت اسماع اور انصات کا حکم بھی منتفی ہو جائے گا۔"

اس پر آپ سے گزارش ہے کہ ایسا کرنا آیت مبارکہ کے خلاف کیسے نہیں حالانکہ آیت مبارکہ میں وقفہ کا یہ حکم ارشاد ہوا جو جناب کے فتویٰ سے مستفاد ہوتا ہے کہ قاری کے وقفہ میں سننا فرض نہیں بلکہ تکلم مباح ہے اور جب آیت کریمہ میں اس حکم کا پتہ نہیں تو یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہوا کہ نہیں[1]۔

برتقدیر اوّل یہ مستند کتابوں سے بتائیے کہ نصوصِ شرع میں مفہوم مخالف حجت ہے!
برتقدیر ثانی مفہوم مخالف سے استناد کیوں نہیں اور آیت کریمہ کا مفہوم اگر یہ قرار دیا جائے کہ قاری جب قرأت سے فارغ ہو جائے تو استماع اور انصات کا حکم نہیں اور اس سے کون امر مانع ہے اور جب اس سے کوئی مانع نہیں تو آیت سے یہ کیسے نکلا کہ وقفہ میں تکلم مباح ہے اس لیے کہ قرأت نہیں ہو رہی ہے۔

اگر مفہوم مذکور سے کوئی امر مانع ہے تو بتائیے ورنہ یہ تسلیم کرنے سے کوئی مفر نہیں کہ سامع کو استماع وانصات کا حکم اس وقت تک ہے جب تک قاری قرأت سے فارغ نہ ہو لے۔

اب بتاتے چلیے کہ قرآنِ کریم کے ارشاد کے بموجب جب تک قرأت جاری ہے اور بالکلیہ ختم نہ ہو سامع کو قاری کے وقفات میں بھی سکوت وسکون کا حکم ہے کہ نہیں؟

برتقدیر ثانی یہ مسلمہ امر کے خلاف ہے اور یہ دعویٰ اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ آیت کریمہ میں استماع وانصات کے حکم کا انتفاء ختم قرأت پر موقوف نہ ہونا ثابت کر دیا جائے۔

اور تقدیر اوّل پر کیا بالبداھة ثابت نہ ہوگا کہ قرآن کریم نے وقفات قاری کا اعتبار نہ کیا بلکہ قرآن کریم نے وقفات میں بھی استماع کا حکم بمعنی استعداد سماع صادر فرمایا اور مستعد قرأت کو بھی قاری فرمایا اور اس طرح وقفات قاری میں بھی استمرار قرأت کا افادہ

---

[1] جناب کے ساتھ مجارت کے طور پر عرض کیا ورنہ آیت کا یہ مفہوم سرے سے نہیں جیسا کہ ظاہر ہوگا اور پہلے بتا چکا ہوں

فرمایا۔ یہیں سے فقہاء فرماتے ہیں "المستعد للشئ کالشارع فیه" اب بولیے وہ جو فرمایا تھا کہ "جب قرأت نہیں پائی گئی تو اذا فات الشرط فات المشروط کے تحت استماع وانصات کا حکم بھی منتفی ہو جائے گا۔"

خود آپ ہی کے تسلیم واقرار سے باطل ہوا کہ نہیں۔ ضرور ہوا وللّٰه الحجة السامية ولله الحمد.

نمبر۲: آپ ہی سے سیکھ کر کوئی یوں کہے آیۂ کریمہ "واذ قرأت القرآن فاستعذ بالله" میں استعاذہ کا حکم قرأت سے مشروط ہے، تو جب قرأت نہیں پائی گئی تو اذا فات الشرط فات المشروط کے تحت قبل قرأت استعاذہ کا حکم بھی منتفی ہو جائے گا۔ کیا یہ دلیل اس کی قابلِ قبول ہے اور اس کے پیش نظر استعاذہ کا حکم بعد قرأت دیا جانا صحیح ہوگا اور جمہور کا اجماعی ارشاد غلط قرار پائے گا یا اس کی یہ دلیل رد کر دی جائے گی۔
اگر شق ثانی کو اختیار کریں تو فرمائیں کہ آیۂ کریمہ۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا الآیه

میں آپ کا استدلال مذکور رَد کرنے کے قابل ہے کہ نہیں؟ نہیں تو کیوں نہیں؟
حالانکہ اس دوسرے نے ہو بہو وہی طرزِ استدلال اپنایا جو جناب نے اختیار کیا۔

نمبر۳: اگر واقعہ یہی ہے کہ سکوت' قرأت بالفعل سے مشروط ہے تو قرآن نے "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له" کیوں فرمایا۔ فاسمعوہ یا فاستمعوہ نہ فرمانے میں کیا حکمت ہے؟

نمبر۴: کیا جناب کے نزدیک استمعوا له اور اسمعوہ میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟...... ہے تو کیا ہے اور نہیں تو کیوں نہیں؟ حالانکہ اوّل الذکر باب افتعال سے اور متعدی باللام ہے اور آخر الذکر ثلاثی مجرد سے متعدی بنفسہ ہے۔

نمبر۵: استمعوا له اور اسمعوہ میں اگر کوئی یوں فرق بیان کرے کہ پہلا طلب استعداد للسماع پر دال ہے اور دوسرا اسماع بالفعل کا حکم ہے، تو یہ بات اس کی صحیح

ہے یا غلط؟ غلط ہے تو کس دلیل سے۔

نمبر۶: پھر جب یہ مسلم ہو کہ آیت کریمہ میں سماعِ تلاوت کے لیے استعداد[1] کا حکم ہے اور استعداد، نفس فعل سے پہلے ہوتی ہے تو بالضرورۃ ثابت ہوگا کہ قرآن کریم نے سماع سے پہلے اس کے لیے مستعد رہنے کا حکم دیا اور سماع' تلاوت کے مقارن[2] ہے اور دنوں کا زمانہ ایک ہے، لہٰذا سماع سے پہلے جو استعداد متحقق ہوگی وہ تلاوت سے پہلے ہوگی اور بحکم فقہا کرام "المستعد للشئی کالشارع فیه" مستعد سماع سامع قرار پائے گا۔ اسی طرح مستعد قرأت' قاری پائے گا یا نہیں۔

نمبر۷: کیا اب بھی نہ کھلا کہ آیت کریمہ کا ارشاد مطلق ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ارشاد ہوا اور اس کی عبارت ہم پہلے اپنے جواب میں لکھ چکے اور جب حکم مطلق ہے تو انصات' حقیقت سماع اور استعداد سماع دونوں حالتوں میں ضروری ہے کہ نہیں؟ ضروری ہے تو کیا اب بھی ظاہر نہ ہوا کہ استعدادِ سماع کے لیے قرأت کا متحقق ہونا کیا ضرور بلکہ قرأت کے لیے استعداد ہی کافی ہے اور شرعاً و عرفاً قاری کی یہی حالتِ استعداد ی مصداقِ قرأت ہے۔ اگر چہ ابھی قرأت نہ کرے اور اس حالت میں اس کے سکوت کا اعتبار نہیں، نہ سکوت اس صورت میں اس پر قاری کے اطلاق سے مانع ہے بلکہ اسے' اس کی استعداد و ارادہ تلاوت کے سبب قاری ہی کہیں گے جیسا کہ "واذاقرأت القرآن" سے ظاہر ہے اور یہ باتیں ہمارے سابقہ جواب سے ظاہر تھیں مگر جناب نے اپنے فتویٰ میں ان کا کوئی جواب ارشاد نہ فرمایا لہٰذا بہ رنگ سوال ان کا اعادہ کیا گیا۔

سننے کے لیے تیار ہونا بھی سننا ہے

نمبر۸: استعدادِ سماع کا حکم' جب مفہوم آیت ہونے کے لیے متعین ہو گیا تو آپ کے طور پر وقفہ تکلم کی اباحت آیت کریمہ سے کیسے مفہوم ہوگی؟ کیا استعدادِ سماع مستلزم سکوت و سکون نہیں اور تکلم اس کے منافی! اباحت کے مفہوم ہونے کی وجہ بتایئے اور جو کچھ

[1] تیار رہنا [2] ملا ہوا

کہیں اسے کتب متندہ سے مبرہن کیجیے اور استعدادِ سماع کا مستلزم سکوت و سکون نہ ہونا اور تکلم کا منافی سکوت نہ ہونا ثابت کیجیے اور اس تقدیر پر کہ آیت میں استعدادِ سماع کا حکم ہونا مسلم ہو یہ ثابت کرنا محال ہے اور گفتگو بر تقدیر تسلیم ہے اور تسلیم نہ ہونے کی صورت میں وہی سوال عود کر آئے گا جو نمبر۱ میں گزرا یعنی امر مانع بنانا پڑے گا اور وہ کیوں کر ممکن ہے جبکہ نفس آیت میں استعدادِ سماع کا صریح مقتضیٰ موجود ہے، جیسا کہ سابقہ نمبروں سے ظاہر ہے۔

نمبر۹: استعداد سماع کا حکم آیت کریمہ نے سامعین کو دے کر دورانِ تلاوت تکلم سے اگر چہ وقفہ میں ہو منع فرما دیا۔۔ اور نہ صرف تکلم سے منع فرمایا بلکہ سماع کے سوا ہر کام سے ممانعت فرما دی۔ اگر چہ محفل سماع نہ ہو مگر آپ تکلم کی' کہ منافی استعداد سماع ہے رخصت دے رہے ہیں اور اس آیت کریمہ سے بزعم خویش ثابت جان رہے ہیں تو کیا معاذ اللہ آیۂ کریمہ ایسے مفہوم پر مشتمل ہے جو اس کے صریح سیاق سے معارض ہے۔ نہیں زنہار نہیں تو یہ مفہوم معارضِ صریح' قرآنی آیت کریمہ کو آپ نے پہنایا یا نہیں۔

نمبر۱۰: کیا نص کے خلاف تعامل معتبر ہے؟ نہیں تو درمیانِ تلاوت تعامل مزعوم کیسے حجت ہوگا۔

نمبر۱۱: کیا نص کے خلاف قیاس کی اجازت ہے؟ نہیں تو نائی عن المنبر پر قریب قاری بیٹھنے والے کو قیاس کرنا مع الفارق ہی نہیں بلکہ یہ نص کے مقابل قیاس بھی ہے اور یہ دوسری وجہ اس کے مردود ہونے کی ہے پھر قریب قاری و خطیب بیٹھنے والے میں تو اختلاف ہی نہیں بلکہ تمام متقدمین و متاخرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس پر سننا اور چپ رہنا فرض ہے، البتہ نائی عن المنبر میں ضرور اختلاف ہے اور اس میں ایک قول مرجوح[1] جواز تکلم کا بھی ہے جسے آپ نے مستدل[2] بنایا ہے مگر یہ فکر نہیں کہ یہ قیاس مع الفارق کے ساتھ خرق اجماع بھی ہے، پھر جب اس کے حق میں جو تلاوت و خطبہ سن سکتا

[1] ناپسند [2] دلیل

ہوسکوت فرض ہونے پر اتفاق ہے تو رخصت تکلم پر تعامل کیسے ہوگیا۔

نمبر۱۲: آپ رقمطراز ہیں

''یہ الفاظ اس وقفہ کے درمیان ادا کیے جا رہے ہیں جس میں امام تلاوت نہیں کر رہا۔''

جناب کی اس عبارت میں لفظ امام اپنے حقیقی معنی پر ہے یا اس سے خطیب مراد ہے؟ پہلی صورت میں عین نماز میں زور زور سے 'حق نبی' کہنے کی اجازت نکلتی ہے، حالانکہ مقتدیوں کو امام کی قرأت کے وقت مطلقاً سکوت کا حکم ہے اور اس میں آہستہ بھی کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں اور دوسری صورت میں خطبۂ وعظ میں اس کی رخصت معلوم ہوتی ہے۔ اب یہ آپ کی ذمے داری ہے کہ اس رخصت کو کلام فقہاء سے ثابت کریں، نیز آیت کریمہ سے جو مفہوم آپ نے نکالا ہے اس کے متعلق بتائیں کہ یہ مفہوم ان احکام کے معارض تو نہیں جو مقتدی و سامع خطبہ کے فقہا نے ارشاد فرمائے۔ نہیں تو کیوں نہیں اور ہے تو یہ مفہوم قطعاً انوکھا مفہوم ہے، جس کی طرف فقہاء کرام کی فہم نہ پہنچی۔ اب عوام فقہا کی پیروی کریں کہ جناب کی۔ نیز یہ بھی بتائیے کہ خطبۂ وعظ کا حکم بھی جمعہ وعیدین کی مثل ہے یا جداگانہ۔ تقدیر ثانی پر سند فقہی پیش کیجیے ورنہ آپ کی یہ رخصت کیا رخصت[1] نہ ہوگئی۔ اس لیے کہ دورانِ خطبہ استماع وسکوت وسکون کا حکم ہے اور زبان سے ذکر و دُرود حتیٰ کہ امر بالمعروف بلکہ ہر مخل استماع کام منع ہے، اس قدر پر اتفاق ہے اور ہمارے امام اعظم کے نزدیک امام جب خطبہ کے لیے آجائے جبھی سے ختم نماز تک یہ باتیں منع ہیں۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

''اذا خرج الامام من الحجرة ان كان والافقيامه للصعود شرح المجمع (فلا صلوٰة ولا كلام الى تمامها) وان كان فيها ذكر الظلمة فى الاصح.''

---

[1]......ختم نہ ہوگئی

ردالمختار میں ہے:

''قوله (ولا كلام) أى من جنس كلام الناس اما التسبيح ونحوه فلا يكره وهو الاصح كما فى النهاية والعناية وذكر الزيلعى ان الاحوط الانصات و منحل الخلاف قبل الشروع أما بعده فالكلام مكروه تحريما باقسامه كما فى البدائع بحر و نهر وقال البقالى فى مختصره واذا شرع فى الدعاء لا يجوز للقوم رفع اليدين ولا تأمين باللسان جهراً فان فعلوا ذلک أثموا وقيل اساؤا ولا اثم عليهم والصحيح هو الاوّل و عليه الفتوى رملى اھ''

پھر اسی ردالمختار میں ہے:

''قوله (الى تمامها) أى الخطبة لكن قال فى الدرر لم يقل الى تمام الخطبة كما قال فى الهداية لما شرح به فى المحيط و غاية البيان أنهما يكرهان من حين يخرج الامام الى أن يفرغ من الصلاة اھ''

پھر درمختار میں ہے:

''اوكل ماحرم فى الصلاة حرم فيها أى فى الخطبة خلاصة وغيرها فيحرم أكل و شرب و كلام ولو تسبيحاً أورد سلام أو أمر بمعروف بل يجب عليه أن يستمع ويسكت (بلا فرق بين قريب و بعيد) فى الاصح والصواب أنه يصلى على النبى صلى اللّٰه عليه وسلم عند سماع ولا يجب تشميت ولا رد سلام به يفتى وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح و خطبة عيد وختم على المعتمد.''

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ دورانِ خطبہ بلکہ بر مذہب اصح ومعتمد امام جب خطبہ کے لیے حجرہ سے باہر آئے یا منبر پر کھڑا ہونے کے لیے اُٹھ جائے جبھی سے نماز و کلام بلکہ ہر کام موقوف اور شرعاً ممنوع ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ نیند جو اپنے اختیار میں نہیں وہ بھی مکروہ ممنوع ہے اور آدمی پر لازم ہے اسے مقدور بھر دفع کرے۔ چنانچہ علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں۔

"قوله (بل يجب عليه ان يستمع) ظاهره انه يكره الاشتغال بكل بما يفوت السماع وان لم يكن كلا ماوبه صَرَّح القهستانى حيث قال اذا لاستماع فرض كما فى المحيط و واجب كما فى الصلوٰة المسعودية أو سنة وفيه اشعار بأن النوم عندالخطبة مكروه ال ااذا غلب عليه فى الزاهدى ؎ قال فى الحلية قلت وعن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال اذا نعس أحدكم يوم الجمعة فليتحول من مجلسه أخرجه الترمذى قال حديث حسن صحيح اھ"

نیز درمختار میں خطبہ کے دوران مؤذنوں کو جو عادت تھی کہ صحابۂ کرام کے ذکر پر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے اور خطبہ سے پہلے لوگوں کو سکوت کا حکم کرتے اور حدیث پڑھتے تھے، اسے ممنوع فرمایا هذا نصه۔

"واماما يفعله الموذنون حال الخطبة من الترضى و نحوه فمكروه اتفاقاً و تمامه فى البحر والعجب ان المرقى ينهى عن الامر بالمعروف بمتقضى حديثه ثم يقول أنصتوا ارحمكم اللّٰه قلت الا ان يحمل على قولهما فتنبه اھ"

نیز ردالمحتار میں صعود منبر کے وقت درود شریف پڑھنے کی ممانعت کا مزید افادہ فرمایا، چنانچہ اس میں ہے:

"قوله (من الترضى) أعنى الصحابة عند ذكر اسماء هم وقوله ونحوه من الدعاء للسلطان عند ذكره كل ذلك باصوات مرتفعة كما هو ممتاد فى بعض البلاد كبلاد الروم و منه ما هو معتاد عندنا ايضا من الصلاة على النبى صلى اللّٰه عليه وسلم عند صعود الخطيب مع تمطيط الحروا تنغم اھ"

سننے کے لیے تیار رہنا اور سکوت

یہ دو کتابوں کی عبارات ہیں جو مسئلہ نزاعیہ پر پیش ہوئیں۔ اگر دوسری کتب فقہیہ کی عبارات تحریر ہوں تو ایک دفتر ہو اور بفضلہٖ تعالیٰ انہی دو کتب کی عبارات سے حق خوب روشن وآشکار ہوا اور ان سے کھل گیا کہ

نمبر۱: بر مذہب معتمد خطیب کے خطبہ کے لیے باہر آنے یا صعود منبر کے لیے قیام کے وقت اور عین صعود[1] کے وقت اتفاقاً لوگوں کو جو حکم استماع وانصات اور کلام اور ہر مخل استماع کام سے جو ممانعت ہے وہ بـــــداہۃً استعداد سماع کے لیے ہے تو جو ہم نے مفہوم آیت کی تقریر اپنے گزشتہ فتویٰ میں اور اب گزشتہ نمبروں میں کی اس کی سند بحمدہ تعالیٰ کلام ائمہ کرام سے ظاہر وآشکار ہے تو عین حالت خطبہ وعین تلاوت میں بدرجہ اولیٰ استعداد سماع کا حکم ہے اور اس کے پیش نظر وہ سکوت قلیل قاری وخطیب کا ہرگز معتبر نہیں بلکہ وہ بہ حکم استعداد شرعاً وعرفاً عین سکوت میں قاری وخطیب ہی قرار پائے گا۔

۲: خطبہ نماز کی نظیر ہے بایں معنی کہ جس طرح نماز میں ہنگام تلاوتِ امام مقتدیوں پر استماع وانصات فرض ہے اور اس وقت انہیں ذکر وتسبیح وقرأت کی اجازت نہیں، اگرچہ آہستہ ہو۔ اسی طرح خطبہ میں بھی لوگوں پر استماع وسکوت فرض ہے اور اس کے دوران انہیں آہستہ بھی ذکر وغیرہ کی اجازت نہیں اور جب خطبہ قبل نماز ہے اور نماز میں تلاوت کی

[1] ۔۔۔۔۔چڑھنا

وجہ سے مقتدی کو ذکر و تسبیح و تلاوت سے باز رکھا گیا تو خارجِ نماز تلاوت کا بھی وہی حکم ہے جو خطبہ کا ہے، لہٰذا جب تک تلاوت جاری ہے بلکہ جب قاری تلاوت کے لیے مستعد ہو اور لوگ سننے کو بیٹھے ہوں، اسی وقت سے تا فراغ قاری لوگوں پر ہمہ تن گوش ہو کر تلاوت سننا اور چپ رہنا اور ہر کام موقوف کر دینا فرض ہے جیسا کہ کتب فقہیہ اس کی تصریح سے مملو و مشحون ہیں۔ ولعلنا ان نذکر بعضها[1] تو جو بعض معروف بہ علم و مشہور بہ افتاء نے خیال کیا اور دورانِ گفتگو پھر سے ظاہر کیا کہ خطبہ کے وہ احکام اس لیے ہیں کہ حدیث میں دورانِ خطبہ امر بالمعروف سے منع فرمایا اور سکوت کا حکم دیا ہے تو ان کے طور پر یہ حکم خطبہ پر محصور ہے، محض وہم اور تصریحاتِ فقہا کے صریح خلاف ہے۔ فقہا خطبہ کو صاف صاف بلحاظ تلاوت مثل نماز فرماتے ہیں: کما مر عن الامر آنفا اور خطبہ کو مثیلِ تلاوت[2] بناتے ہیں۔ وقد مر من الهداية وقوله و كذلک (أی كالفراء ة) الخطبة فتذكر.

۳: ان عبارتوں سے بالخصوص ان کے اخیر جملوں سے تلاوت کے دوران سبحن اللہ وغیرہ کلماتِ تحسین کا جواب بھی ہو گیا اور اس پر تعامل مزعوم کا رَد بھی ہو گیا، تو مدعی جواز کا اس پر قیاس کرنا اور اس سے حجت لانا خود باطل کہ ان کلمات کا ہنگام قرأت وہی حکم ہے جو آیتِ دُرود کی تلاوت کے وقت حق نبی کہنے کا ہے۔ ولله الحجة السامية وله الحمد.

نمبر ۱۳: اب آپ ان عبارتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بتائیں کہ آپ نے یہ جو دعویٰ کیا کہ

''ایسا کرنا یقیناً جائز اور مباح ہے بلکہ بعض فقہاء اور علماء نے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کو مستحسن اور مستحب تک فرمایا ہے''۔

یہ اباحت و جواز حالتِ خطبہ و ہنگام تلاوت ہے یا اس وقت ہے جبکہ خطبہ و تلاوت

---

[1] شاید ان میں سے کچھ ہم ذکر کر دیں۔ [2] تلاوت جیسا

نہ جاری ہوں۔ پہلی صورت میں جناب کا دعویٰ تصریحاتِ فقہا کے بالکل خلاف ہے تو دفع معارضہ کی فکر کیجیے اور پھر یہ تو بہت بعید ہے کہ جناب کو ان تصریحات کی خبر نہ ہو اور خدانخواستہ بے خبری کا یہ عالم ہے تو اس مسئلے پر قلم اُٹھانے سے پہلے ان تصریحات کو کیوں نہ دیکھا گیا اور اگر آپ کو خبر ہے اور واقعہ بھی غالبًا یہی ہے تو ان تصریحوں کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کہ:

''ایسا کرنا یقیناً جائز اور مباح ہے''۔

راستی کی کونسی صنف ہے اور ان تصریحوں کو چھپانے کو آپ کیا نام دیں گے اور وہ کونسے فقہاء و علماء ہیں جو بیک زبان ایسی متناقض باتیں کہہ گئے کہ خطبہ و تلاوت کے وقت استماع و انصات بھی فرض اور 'حق نبی' کہنا بھی جائز اور اگر دوسری صورت سے یعنی 'حق نبی' وغیرہ کی اجازت اس وقت ہے جب خطبہ یا تلاوت نہ سنتے ہوں تو ہمیں کیا مضر اور آپ کو کیا مفید کہ گفتگو تو یہ چل رہی ہے کہ خطبہ یا تلاوت سننا اور چپ رہنا لازم ہے اور اس کے دوران بولنا اگرچہ آہستہ ہو' منع ہے۔ تو آپ کہ مدعی جواز ہیں دلیل دیں کہ سامع کو تلاوت وغیرہ کے دوران حق نبی وغیرہ کہنا جائز ہے۔ هاتوا برهانكم. بينوا توجروا اور اگر آپ دلیل نہ دے سکیں تو یہ عبارتیں جو گزریں آپ پر حجت ہیں اور آپ نے جو احادیث و اقوال پیش کیے ان کا وہی جواب ہے جو ہمارے اس سوال سے ظاہر ہے یعنی انہیں آپ کے دعویٰ سے مس نہیں تو آپ سامع کے حق میں ہنگام تلاوت و خطبہ' تکلم کی رخصت کیوں نہیں بتا رہے ہیں۔

صاحبزادے کی چار احادیث:

نمبر ۱۴ میں آپ نے چار احادیث نقل فرمائیں۔ تین احادیث سے تو وہ ثابت ہے جو آپ نے فرمایا کہ

''صورتِ مسؤلہ کی طرح قرآن پاک کی تلاوت کے وقت وقف کے دوران مختلف الفاظ اور کلمات کا کہنا اور سننا...... ثابت ہے''۔

ظاہر ہے کہ یہ قاری کے حق میں ہے اور سامع کا وظیفہ وہی سننا ہے تو قاری کے حق میں جو بات وہ سامع کو کیسے جائز ہوگی اور اس پر قیاس کیونکر درست ہوگا؟

پھر حدیث نمبر ۳ میں جس میں سرکار ابد قرار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنوں کا قرآن سننا اور ان کا جواب دینا اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صحابہ سے یہ فرمانا کہ:

"کانت الجن احسن مردودا منکم"

مذکور ہوا اس سے استدلال تمام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ

(۱) پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ واقع عین میں عموم ہوتا ہے مگر آپ یہ ثابت فرما دیں تو یہ انوکھی تحقیق ہوگی جس سے فقہاء کرام کا دعویٰ کہ

واقعة عين لاعموم لها باطل ہو جائے گا۔ والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ

(۲) قرآن کریم کے ارشاد

"واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا."

اور دیگر احادیث مبارکہ جن میں دورانِ تلاوت سامع کو تلاوت وغیرہ سے منع فرمایا گیا (اور ہم ان شاء اللہ چند احادیث اس جگہ لکھیں گے) آپ کی مذکورہ حدیث کے مخالف ہیں، تو جب تک تعارض دور نہ ہو جائے استدلال کیسے ہوگا۔

(۳) یہ بھی بتانا پڑے گا کہ جب محرم و مبیح مجتمع ہوں تو ترجیح کسے ہے۔ محرم کو تو حجت ہماری قائم اور مدعیٰ ہمارا ثابت اور مبیح کو ترجیح ہو جیسا کہ آپ کے استدلال کا مقتضی ہے، تو فقہاء کرام کے قاعدہ مقررہ

"اذا اجتمع الحلال والحرام رجح الحرام"

سے تصادم ہوتا ہے، پھر اس کا کیا تدارک ہے؟

(۴) یہ آیت کریمہ اور ان احادیث منورہ کے ہوتے ہوئے اس ایک حدیث غریب حسب تصریح ترمذی میں وہ قوت بھی نہیں کہ وہ آیۂ کریمہ کے مفہوم صریح اور ان متعدد احادیث صریحہ کے معارض ہو جائے کہ وہ قوت میں ان احادیث کے برابر بھی نہیں

اور وہ احادیث کثرت کے لحاظ سے خود قوی ہیں پھر آیت کریمہ کا مفہوم صریح ان کا مؤید ہے۔ یہ دوسری قوت ان احادیث کی ہے تو یہ حدیث آیۂ کریمہ اور دوسری متعدد حدیثوں کی حقیقت میں معارض ہی نہیں، اگرچہ بظاہر معارض معلوم ہوتی ہے اور یہ من حیث الروایة دوسری حدیثوں کے مقابل مضمحل ہے تو آیۂ کریمہ اور احادیث کثیرہ سے عدول اور اس روایت غریبہ پر اعتماد کیونکر روا ہے؟

(۵) حدیث کیا ہنگامِ تلاوت' رخصتِ تکلم میں ایسی ہی صریح ہے جیسی آیت کریمہ؟ اور دیگر احادیثِ منعِ تکلم و حکم استماع و سکوت میں صریح ہیں اور کیا اس حدیث میں صحابہ کو ہنگامِ تلاوت' زبان سے جواب دینے کا حکم موجود ہے یا یہ بات حدیث سے مفہوم ہوتی ہے؟ برتقدیر اوّل بتانا پڑے گا کہ حدیث کے الفاظ میں حکم تکلم کہاں ہے؟

برتقدیر ثانی مفہوم اور منطوق میں تعارض ہے تو ترجیح کسے ہے، مفہوم کو یا منطوق کو۔

(۶) حدیث کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا کہ جنوں نے اے صحابہ تم سے بہتر جواب دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حسن جواب میں صحابہ جنوں کے شریک ہیں، جیسا کہ اسم تفضیل کا مقتضی ہے اور صحابہ کا استماع و انصات قائم مقام جواب ہوا اور بہ دلالت حدیث جواب حسن قرار پایا۔ چنانچہ مرقاۃ میں علامہ علی قاری نے تصریح فرمائی:

"نزل سکوتهم وانصاتهم لاستماع منزلة حسن الرد حيث جاء بافعل التفضيل ويرضحه كلام الملك الخ......"

حدیث کا غلط ترجمہ:

اب آپ بتاتے چلیں کہ حدیث میں صحابہ کے سکوت کو ناپسند کرنا کہاں سے نکلا جو آپ یوں گویا ہوئے کہ

"آنحضرت ﷺ أحسن مردوداً منکم کے الفاظ سے نہ صرف یہ کہ اس انداز کی تحسین فرما رہے ہیں بلکہ آدمیوں کے سکوت سے ناپسندیدگی

Scanned by CamScanner

کا اظہار فرماتے ہوئے جنوں کے فعل کی تعریف کر کے آدمیوں کو اسی
طرح کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں"۔

اگر واقعۃً اس وقت صحابہ سے جواب زبانی مطلوب تھا تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے صراحۃً حکم قولی کیوں نہ دیا، پھر اس کے بعد بھی اس جیسے مقام میں سامعین کو زبان سے
جواب دینے کا حکم کیوں نہیں کیا؟ بالجملہ جب تک یہ سوالات حل نہ ہولیں حدیث مذکور
سے آپ کا استدلال خیال ومحال۔ واللّٰہ تعالیٰ الموفق وھو الھادی ربہ العصمة
والعون۔

ہمارے دلائل کی دس حدیثیں:

اب بعونہ تعالیٰ ہم وہ حدیثیں ذکر کریں جن کا ہم نے وعدہ کیا تھا۔

(۱) اسی مشکوٰۃ میں جس کی حدیث سے آپ نے اپنے مدعیٰ پر دلیل چاہی،
حدیث ہے:

"وعن ابن عمر والبیاضی قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ
علیہ وسلم ان المصلی یناجی ربہ فلینظر ماینا جیہ بہ
ولایجھر بعضکم علی بعض بالقرآن رواہ احمد"۔

یعنی حضرت ابن عمر و بیاضی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللّٰہ
ﷺ نے فرمایا کہ بے شک نمازی اپنے ربّ سے مناجات کرتا ہے تو وہ
اس پر نظر رکھے جس کلام سے وہ ربّ سے مناجات کرتا ہے اور کوئی
دوسرے پر آواز سے قرآن کی تلاوت نہ کرے۔

"والنھی یتناول من ھو داخل الصلاة و خارجھا قال
الطیبی عدی بعلی فارادة معنی الغلبة أی لایغلب ولا
یشوش بعضکم علی بعض جاھراً بالقراءة والبعض أعم
من مصل أو نائم او قارئ وقولہ بالقرآن أی فضلا عن

غیرہ فان ذلک یؤذی والایذاء لیس من شان المسلمین
فضلاً عن المصلین فضلاً عن المقرئین الخ."

یعنی حدیث کی ممانعت داخلِ نماز اور خارجِ نماز دونوں کو عام ہے۔
طیبی نے فرمایا فعل کو "علی" سے معنی غلبہ کے قصد کے لیے متعدی فرمایا
یعنی ایک دوسرے پر بآواز بلند قرأت کر کے غلبہ نہ کرے اور تشویش نہ
ڈالے اور حدیث میں "بعض" نمازی اور سونے والے اور قاری سب کو
عام ہے۔ اور حدیث میں قرآن زور سے پڑھنے کی ممانعت ہے چہ
جائیکہ قرآن کے سوا کوئی اور کلام اس لیے کہ ان سے ایذا ہوتی ہے اور
ایذا مسلمانوں کی شان نہیں ہے، چہ جائیکہ نمازیوں کی، چہ جائیکہ قرآن
پڑھنے والوں کی یہ شان ہو۔

اسی میں ہے۔

(۲) "عن أبی ھریرة قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ
وسلم انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذاکبر فکبروا واذاقرء
فانصتوا رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجة."

مرقاۃ میں ہے:

"(واذا قرء) ظاھرہ الاطلاق والذا قال (فأنصتوا) أی
اسکتوا ولم یتل فاستمعوا قال تعالیٰ واذا قرئ القرآن
فاستمعوا لہ أی حال الجھر وأنصتوا حال السر وھو ایضاً
من ادلة أئمتنا."

نیز اشعۃ اللمعات میں زیرِ حدیث اوّل ہے۔

"ولایجھر بعضکم علی بعض بالقرآن" آواز بلند نکند بعضے از شما بر
بعض بقرآن چہ در نماز و چہ در غیر آں از مصلی ونائم وقاری وذاکر تا موجبِ

ایذاو تشویش نگرددواجماع است برآں کہ مکروہ است ماموم راجہرا گرچہ قراءت امام رانمی شنود۔

اسی میں زیرِ حدیث دوئم ہے:

"فاذا کبر فکبروا واذ قرئ فانصتوا" پس چوں تکبیر گوید امام تکبیر گوئید شما و چوں قراء ت کند امام خاموش شوید شما و گردش نہید قراء ت اورا کہ متابعت در قراء ت ایں است و خواند بادے مخالفت و نزاع کردن بادے و تشویش دادن است مر اُورا۔"

علامہ سیوطی کی تفسیر سے:

امام اجل جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ دُرِ منثور میں آیۂ کریمہ "واذا قرئ القرآن" کے تحت احادیث روایت کرتے ہیں، ان میں سے چند یہاں تحریر ہوتی ہیں۔

(۳) "أاخرج ابن جرير وابن أبى حاتم وابوالشيخ و ابن مردويه و ابن عساكر عن ابى هريرة فى قوله واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قال نزلت فى رفع الاصوات وهو خلف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فى الصلاة".

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت لوگوں کے حالتِ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے آواز بلند کرنے کی بابت نازل ہوئی یعنی دورانِ تلاوت ذکر وقرأت سے سامعین کو منع کرنے کے لیے۔

(۴) "أخرج ابن مردويه عن ابن عباس قال النبى صلى اللّه عليه وسلم فقرأ خلفه قوم فنزلت واذا قرئ القرآن فاستمعو له وأنصتوا.

یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو لوگوں نے حضور کے پیچھے قرأت کی تو آیت نازل ہوئی کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو۔

(۵) "وأخرج ابن جرير عن الزهرى قال نزلت هذه الاية فى فتى من الانصار كان كلما قرء رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم شيئا قرأه فنزلت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا."

یعنی زہری سے روایت ہے فرمایا کہ یہ آیت انصار کے ایک جوان کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کا حال یہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن سے کچھ تلاوت کرتے تو وہ ساتھ ساتھ پڑھتا تو حکم نازل ہوا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور چپ رہو۔

(۶) "اخرج ابوالشيخ عن ابن عمر قال كانت بنو اسرائيل اذا قرأت ائمتهم حار بواهم فكره اللّٰه ذلك لهذا الامة قال واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا

یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ بنو اسرائیل اپنے ائمہ سے تلاوت میں منازعت کرتے تھے (جب ان کے ائمہ تلاوت کرتے تھے وہ بھی ساتھ ساتھ تلاوت کرتے تھے) تو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے اس کو ناپسند فرمایا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو۔

(۷) "وأخرج عبد بن حميد و ابن جرير وابوالشيخ عن قتادة قال كانوا يتكلمون فى الصلاة اوّل ما أمروا بها كان

الرجل يحبئ وهم فى الصلوٰة فيقول كم صليتم فيقول كذا و كذا فأنزل الله تعالىٰ هذه الاية واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا فأمروا بالاستماع والانصات علم أن الانصات هو أحرى و أن يستمع العبد ويعيه ويحفظه علم أن لن يفقهوا حتى ينصتوا والانصات باللسان والاستماع بالاذنين".

یعنی قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں کو جب پہلے پہل نماز کا حکم ہوا وہ نماز میں کلام کرتے تھے۔ آدمی آ کر کہتا تم نے کتنی کتنی رکعتیں پڑھیں اور لوگ نماز میں ہوتے تو دوسرا نمازی جواب دیتا اتنی اور اتنی پڑھ لیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری کہ جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو۔ تو لوگوں کو سننے اور چپ رہنے کا حکم ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ چپ رہنا زیادہ سزاوار ہے اس کا بندہ قرآن سنے اور اسے سمجھے اور یاد رکھے۔ معلوم ہوا کہ لوگ ہرگز نہ سمجھیں گے یہاں تک کہ خاموشی اختیار کریں اور چپ رہنا زبان سے ہے یعنی زبان سے کچھ نہ کہے اور سننا کانوں سے۔

(۸) "وأخرج ابن مردوية عن ابن عباس فى قوله واذا قرئ القرآن فاسنمعوا له و أنصتوا قال نزلت فى رفع الاصوات خلف رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فى الصلوٰة فى الخطبة لانها صلوٰة قال ومن تكلم يوم الجمعة والامام يخطب فلا صلوٰة له."

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا کے بارے میں فرمایا:

یہ آیت نماز میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے اور جمعہ کے دن خطبہ میں سامعین کی طرف سے آواز بلند کرنے کے سبب اُتری، اس لیے کہ خطبہ نماز ہے۔ ابن عباس نے کہا اور جو جمعہ کے دن بولے جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو اس کی نماز نہیں۔

(۹) "وأخرج ابوالشيخ عن ابن جريج قال قلت لعطاء ما أوجب الانصات يوم الجمعة كالانصات فى القراءة سواء قال نعم."

یعنی ابن جریج نے فرمایا میں نے عطا سے کہا: جمعہ کے دن خاموش رہنے کا حکم کس دلیل سے واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا: اللہ کا ارشاد ہے جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو۔ انہوں نے کہا یہ لوگوں کے بقول نماز میں ہے اور جمعہ میں بھی۔ میں نے کہا کہ اور جمعہ کے دن چپ رہنا نماز میں خاموشی کی طرح ایک برابر ہے؟ فرمایا ہاں۔

(۱۰) "وأخرج ابوالشيخ وابو حاتم عن ابن عباس فى قوله واذ قرئ القرآن فاستمعوا له الآيه قال فى الصلوٰة وحين ينزل الوحى عن الله عزوجل"

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے قول: واذا قرئ القرآن فاستمعوا له الاية کے بارے میں کہ وہ نماز میں ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہو یعنی ان وقتوں میں استماع وانصات وسکوت کا حکم ہے۔

فیصلہ ہو گیا:

اقول: علماء نے تو فرمایا ہی تھا: العبرة بعموم اللفظ لالخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ شانِ نزول کے خصوص کا لہٰذا جس طرح نماز میں جب

تلاوت ہوتو سکوت فرض ہے۔احادیث سے بفضلہٖ تعالیٰ عموم لفظ وشمول حکم کی تائید ہوگئی۔

ولا علیک من قول ابن مغفل رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه۔

انما نزلت هذه الاية واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا فی قراءة الامام اذا قرء الامام فاستمع له و أنصت بعد ما سمعت من ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما وغیره لأن المثبت مقدم علی النافی ومن حفظ حجة علی من لم یحفظ.

دل میں کہنا جائز:

اور آیت کریمہ میں جو استماع وانصات کا حکم ہے اسے بعد والی آیت نے اور موکد فرمادیا کہ ارشاد ہوا:

"واذکر ربک فی نفسک الایة"

یعنی اپنے رب کو اپنے جی میں یاد کرو۔

چنانچہ (۱۱) امام سیوطی اسی درمنثور میں اپنی سند سے ابن زید سے روایت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے قول **واذ قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا** کے بارے میں فرمایا: یہ آیت اس صورت میں ہے جب امام نماز قائم کرے تو اس کی قرأت سنو اور چپ رہو۔ اور اے وہ شخص جو اس وقت خاموش ہے تو اپنے ربّ کو جی میں یاد کرو۔ **وهذا نصه**

"واخرج ابن جریر و أبوالشیخ عن ابن زید فی قوله واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا واذکر ایها المنصت فی نفسک تضرعا و خیفة ودون الجهر من القول قال لا تجهر بذاک"

نیز یہی امام ممدوح فتاویٰ حاوی میں فرماتے ہیں:

"ان جماعة من المفسرین منهم عبدالرحمن بن زید بن

اسلم شیخ مالک وابن جریر حملوا الاية علی الذاکر حال قراءة القرآن وانه امر له بالذکر علی هذه الصفة تعظیما للقرآن أن ترفع عنده الأصوات ویقویه اتصالها بقوله (واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا) قلت وکانه لما أمر بالانصات خشی من ذلک الاخلاد الی البطالة فنبه علی أنه وان کان ماموراً بالسکوت باللسان الا أن تکلیف الذکر بالقلب باق حتی لا یغفل عن ذکر اللّٰہ ولذا ختم الآیة بقوله (ولاتکن من الغافلین)

یعنی مفسرین کی ایک جماعت نے جن میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم استاذ امام مالک اور ابن جریر ہیں، آیت کریمہ **واذکر ربک فی نفسک** کو تلاوتِ قرآن کے وقت ذکر کرنے والے پہ محمول کیا اور افادہ فرمایا کہ اسے ہنگام تلاوت حکم ہے کہ وہ ذکر قلبی کرے قرآن کی تعظیم کے لیے کہ اس کی تلاوت کے وقت آوازیں بلند نہ ہوں اور اس کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے قول **واذا قری القرآن فاستمعوا له وأنصتوا** سے متصل ہے۔

مَیں کہتا ہوں اور گویا جب خاموشی کا حکم ہوا تو اندیشہ ہوا کہ لوگ یادِ الٰہی سے فارغ وغافل ہوکر نہ بیٹھ جائیں تو متنبہ فرمایا گیا، اگرچہ بندہ زبان سے کچھ نہ کہنے پر مامور ہے مگر ذکرِ قلبی کی تکلیف باقی ہے۔ تاکہ بندہ یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو۔ اسی لیے آیت کے اخیر میں فرمایا کہ **ولا تکن من الغافلین** غافلوں سے نہ ہوجانا۔"

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

"وبعض شیوخ مالک وابن جریر وغیرهما حملوا الاية علی الذکر حال قراءة القرآن تعظیما له یدل علیه اتصالها بقوله الخ"

نیز درمنثور میں ہے:

"وأخرج ابو الشیخ عن عثمان بن زائدة انه کان اذا قرئ علیه القرآن غطی وجهه بثوبه ویتأول من ذلک قول اللّٰه عزوجل واذ قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا فیکره ان یشغل بصره وشیئا من جوارحه بغیر استماع."

یعنی ابوالشیخ نے عثمان بن زائدہ سے روایت کی کہ جب ان کے پاس قرآن کی تلاوت ہوتی تو کپڑے سے وہ اپنا منہ چھپا لیتے تھے اور اس عمل کے لیے اللہ تعالیٰ کے قول واذا قرئ الایة جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو کو دلیل بناتے تھے، تو انہیں یہ پسند نہ تھا کہ سننے کے سوا کسی کام میں اپنی آنکھ اور اعضاء جسم کو مشغول رکھیں"۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ استماع قرآن مطلقاً فرض ہے اور دورانِ تلاوت زبان سے ذکر و تسبیح بلکہ خود تلاوت بھی منع ہے کہ منافی تعظیم قرآن ہے، لہٰذا لوگوں کو ہر کلام و کام سے ممانعت ہے اور شرع کو قرآن کی ایسی تعظیم مطلوب ہے کہ دورانِ تلاوت سامعین سے تو سننا اور چپ رہنا اور ہر مخل استماع کام سے بعض رہنا مطلوب ہے ہی' قاری کے لیے بھی یہی افضل ہے کہ دورانِ تلاوت وہ سوائے قرآن کے کوئی اور بات نہ کرے، تاکہ قرآن میں دیگر کلام کا خلط نہ ہو۔ پھر جس طرح سامع کو دورانِ تلاوت استماع کے سوا اور کام حرام ہے اسی طرح قاری کو لوگوں کے شغل اور بات کرتے وقت تلاوت شروع کرنا حرام اور اس صورت میں قرآن کی حرمت کو ضائع کرنے کا جرم قاری ہی پر ہے۔

مخصوص وقت میں تلاوت' درود سے افضل ہے:

چنانچہ ہندیہ میں ہے:

"ولو قرء القرآن فمر علی اسم النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه

وسلم فقراءة القرآن علٰی تالیفه ونظمه أفضل من الصلاة علی النبی صلی اللّٰه علیه واله واصحابه فی ذالک الوقت فان فرغ ففعل فهو أفضل وان لم یفعل فلا شیئ علیه کذا فی الملتقط."

یعنی دورانِ تلاوت اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام آئے تو قرآن کو اس کے نظم اور تالیف کے ساتھ پڑھتے رہنا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھنے سے افضل ہے، پھر فارغ ہو کر درود پڑھا تو یہ افضل ہے اور نہ پڑھا تو کچھ نہیں۔ملتقطا۔

اسی میں ہے:

"لایقرء جهرا عندالمشتغلین بالاعمال ومن حرمة القرآن أن لا یقرء فی الاسواق وفی موضع اللغو کذافی القنیة."

یعنی کام میں مشغول لوگوں کے پاس آواز سے تلاوت کرنا جائز نہیں اور قرآن کی تعظیم یہ ہے کہ بازاروں میں نہ پڑھا جائے، نہ اس جگہ جہاں لوگ لغو میں مشغول ہوں"۔

اسی میں ہے:

"لوکان القارئ واحداً فی المکتب یحب علی المارین استماع وان کان اکثر ویقع الخلل فی الاستماع لایجب علیهم".

یعنی مکتب میں قاری تلاوت کرتا ہے تو گزرنے والوں پر فرض ہے کہ تلاوت سنیں جبکہ ایک قاری ہو اور اگر چند قاری ہوں اور سننے میں خلل پڑے تو ان پر سننا فرض نہیں۔

اسی میں ہے:

"صبی یقرء فی البیت واھله مشغولون بعذرون فی ترک الاستماع ان افتتحوا العمل قبل القراءة والافلا وکذا قراءة الفقه عند قراءة القرآن."

یعنی بچہ گھر میں قرآن پڑھتا ہے اور گھر والے کام میں لگے ہیں، اگر انہوں نے کام بچے کی تلاوت سے پہلے شروع کیا ہے تو تلاوت نہ سننے میں وہ شرعاً معذور ہیں ورنہ انہیں سننا ضروری ہے اور اسی طرح تلاوت کے وقت فقہ کی کتاب پڑھنے کا حکم ہے۔

اسی ہندیہ میں ہے:

"یکره الصعق عند القراءة لانه من الریاء وھو من الشیطان وقد شد والصحابة والتابعون والسلف الصالحون فی المنع من الصعق والزعق والصیاح عندالقراءة کذا فی القنیة".

یعنی تلاوت کے وقت مصنوعی حال ناجائز ہے اس لیے کہ وہ ریاء کی قسم ہے اور وہ شیطان کی طرف سے ہے اور صحابہ' تابعین اور سلف صالحین نے تلاوت کے وقت آوازیں نکالنے اور وجد سے سخت منع فرمایا ہے۔

دعوئ محبت باطل

اسی ہندیہ میں ہے:

"رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مکروه وما یفعله الذین یدعون الوجد والمحبة لا أصل له ویمنع الصوفیة من رفع الصوت وتخریق الشباب کذا فی السراجیة."

یعنی تلاوتِ قرآن اور وعظ کے وقت آواز اونچی کرنا مکروہ وممنوع ہے اور جنہیں وجد ومحبت کا دعویٰ ہے ان کا فعل شرعاً کوئی اصل نہیں رکھتا اور صوفیاء کو تلاوت کے وقت آواز بلند کرنے اور کپڑے پھاڑنے سے منع کیا جائے۔

ان تمام عبارتوں کا حاصل وہی ہے جو بارہا گزرا کہ تلاوت کے وقت سننا اور چپ رہنا فرض ہے اور آواز سے خواہ آہستہ کچھ کہنا بلکہ ہر مخلِ استماع کام حرام ہے اور اخیر عبارتیں تو مسئلہ نزاعیہ میں ہمارے مدعی پر نصِ صریح ہیں، جن سے اس تعامل مزعوم کا رَد اور دعویٔ محبت کا بھی شافی جواب آشکار ہے۔ وللّٰه الحمد وله الحجة السامية.

صاحبزادے کی دلیل' صاحبزادے کے خلاف:

نمبر۱۳ کے بعد روایات وعباراتِ موعودہ کے سبب وقفہ طویل ہوگیا، اب پھر سوالات کا سلسلہ شروع کریں۔

(۱۴) آپ رقم طراز ہیں کہ "سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ تینوں سورتیں اکٹھی ایک ہی وقت میں مسلسل پڑھے تو کیا اس کو درمیان میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے الفاظ ادا کرنے سے یہ کہہ کر روک دیا جائے گا کہ یہ وقفہ قابلِ اعتبار نہیں"۔

اس پر آپ سے معروض ہے کہ یہ کہہ کر کوئی کیوں روکے گا کہ اسے خبر ہے کہ قاری کو قطع قرأت روا ہے، تو مدار کا یہ نہیں کہ اس وقفے کا اعتبار ہے یا نہیں، بلکہ اس پر ہے کہ قاری کو روا ہے کہ قرأت موقوف کر دے اور قرآن کے سوا کچھ اور پڑھے، وہ بھی ایک صورتِ خاصہ میں جبکہ وہ منفرد ہو، امام نہ ہو۔ ورنہ اسے بھی حکم ہے کہ قرأتِ قرآن کے سوا کسی اور ذکر میں مشغول نہ ہو اور یہ بات خود آپ کی منقولہ کئی عبارتوں سے ثابت ہے، ہم یہاں ایک پر اکتفا کرتے ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں' ابن عابدین فرماتے ہیں:

"وکذا الامام لا یشتغل بغیر قراءة القرآن سواء ام فی الفرض اوالنفل اما المنفرد ففی الفرض کذلک وفی النفل

یسأل الجنة ویتعوذ من النار عند ذکرهما ویتفکر فی آیة
المثل وقد ذکر واحدیث حذیفة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه.''

(۱۵) اگر امام بالفرض نماز نفل خواہ نماز فرض میں قرأت کو موقوف کر کے مشغولِ بہ دعا یا ذکر ہو تو کیا مقتدی کو آپ اجازت دیں گے کہ وہ بھی سکوت توڑ کر مشغول بہ ذکر و دعا ہو جائے، نہیں تو کیا اس کا صاف معنی یہ نہیں کہ امام نے گو قرأت موقوف کر دی ہے مگر وہ دعا و ذکر سے فارغ ہو کر فوراً قرأت کرے گا۔ لہٰذا چونکہ امام قرأت کا ارادہ رکھتا ہے بنا بریں سامع کے حق میں قرأت جاری ہے اور اسے اب بھی حکم انصات ہے، گو امام نے قرأت کو ذرا دیر کے لیے قطع کر دیا ہے، اب کیا آپ نہ کہیں گے کہ اس وقفہ کا اعتبار نہیں ہے۔ ضرور کہیں گے، تو کیا وجہ ہے کہ جب قاری اصلاً قرأت نہ روکے تو اس کے سکتات و وقفات کا اعتبار کیا جائے اور ان میں بآواز بلند ذکر کی اجازت ہو، حالانکہ آگے چل کر اقوالِ فقہا ذکر کرنے کے بعد خود جناب کو اعتراف ہے کہ

''ہمارے مذہب میں امام اور ماموم کے لیے ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ امام ظاہر ہے بغیر توقف کے قرأت کرے گا اور اس صورت میں مقتدی کے یہ الفاظ دورانِ قرأت ادا ہوں گے، جبکہ قرأت کے دوران استماع و انصات بحکم قرآن فرض ہے۔''

دعویٰ کیا! دلیل کیا؟:

نمبر۱۶ آپ کی خط کشیدہ عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ سکتات امام میں قرأت یا ذکر جائز نہیں بلکہ استماع و انصات فرض ہے۔ چونکہ آپ کے بقول امام بغیر توقف کے قرأت کر رہا ہے حالانکہ اس کی قرأت میں سکتات کا ہونا بدیہی ہے، تو آپ ہی کے منہ اقرار ہو گیا کہ دورانِ قرأت قاری کے وقفات کا اعتبار نہیں۔ پھر جناب کا الزام دینا اور یہ کہنا کہ

''کیا درمیان میں اس کو الیٰ آخرہ...... یہ کہہ کر روک دیا جائے گا کہ یہ

وقفہ قابلِ اعتبار نہیں''۔

اور یہ فرمانا کہ

''ثابت ہوا کہ وقفہ کا اعتبار ہے اور اس دوران کلام کیا جا سکتا ہے''۔

تعارض نہیں تو اور کیا ہے۔

نمبر۱۷ آپ ہی کے کلمات اور منقولہ عبارات سے ظاہر ہے کہ دورانِ قرأت ذکر و دعا میں مشغول ہونے کی رخصت خاص قاری کے لیے ہے، وہ بھی خاص وقت میں، جبکہ وہ منفرد ہو اور امام کے لیے یہ رخصت نہیں۔ تو ایک صورتِ خاصہ جس میں محض قاری کے لیے رخصت ہے اسے ذکر کر کے آپ موضع استدلال میں کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

نمبر۱۸ پھر اس میں شک نہیں کہ نماز میں قرأت' اور بیرونِ نماز قرأت' دونوں ایک دوسرے کی نظیر ہیں بہ دلیل آنکہ دونوں میں سامعین پر انصات و استماع فرض ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے امام کو قرأت کے سوا اور کلام میں مشغول ہونا منع ہے، اسی طرح سامعین کے سامنے قرأت کی صورت میں قاری کو دورانِ قرأت سوائے قرأت کے اور کلام سے ممانعت ہو، جس طرح خطیب کو بے ضرورت تکلم منع ہے۔ کما فتح القدیر وقد أسلفنا نصه فی فتونا۔ اور اگر اندیشہ ہو کہ سامعین ترکِ استماع کر بیٹھیں گے تو قاری کو قرأت کے سوا اور کلام حرام ہونا مستعد نہیں، تو سامعین کے روبرو قرأت امام پر قیاس کیوں نہیں کیا جا سکتا۔

نمبر۱۹ یہ صورتِ خاصہ نہ سہی اور ہر قاری کے لیے بہر حال قطع قرأت اور ذکر و دعا میں مشغول ہونے کی رخصت مانیے لیکن قاری و سامع کے حق میں کونسی علتِ جامعہ ہے کہ جو حکم قاری کے لیے ہو، اس علت کی وجہ سے وہی سامع کے لیے ثابت ہو جائے۔

نمبر۲۰۔ اور اگر واقعی قاری کے لیے رخصت' سامع کے لیے مقیس علیه بننے کے قابل اور اس کے لیے رخصت کی متقاضی ہے تو کیا وجہ ہے کہ خاص خطیب کو امر بالمعروف جائز ہے اور سامع کو اب بھی اجازت تکلم نہیں بلکہ سکوت لازم ہے۔

نمبر۲۱- کیا خطیب کے لیے یہ خاص رخصت خطیب وسامع کے مابین فرق واضح نہیں کرتی اور کیا خطیب قاری کی مثل اور خطبہ قرأت کی نظیر نہیں۔ تو مستند کتب سے ثبوت دیجیے اور اگر ہے ضرور ہے جیسا کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے تو جوفرق سامع وخطیب کا ہے وہی قاری وسامع کا ہے، پھر قاری پر سامع کو قیاس کرنا کیا قیاس مع الفاروق نہیں۔

نمبر۲۲ حالانکہ اسی جگہ منفرد کے لیے رخصت اور امام و ماموم کے عدم رخصت کی وجہ بتاتے ہوئے خود قاری وسامع کا فرق ظاہر کر چکے ہیں، چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

> ''اور امام کے لیے عدم جواز کی علت عنایہ اور تبیین کی عبارات میں وضح ہے جبکہ منفرد نفل میں خود وقف کر کے الفاظ ادا کرے گا، کیونکہ اس صورت میں ان الفاظ کی ادائیگی مخلِ سماع نہیں ہے۔ جبکہ ماموم کی صورت میں مخلِ سماع ہے اس لیے وہاں ناجائز ہے اھ'' ملتقطا

اقول امام کی جگہ قاری اور ماموم کی جگہ سامع بنا لیجیے اور عبارت بدستور رکھیے تو جناب ہی کے بقول قاری وسامع کا فرق ظاہر ہے۔ تو قاری پر اس رخصت خصوصی کی وجہ سے سامع کو قیاس کرنا کیا صریح تناقض نہیں۔

نمبر۲۳- آپ رقم طراز ہیں:

> ''حضرت علامہ مفتی احمد یار خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
> قرآن سنتے وقت رونا جھومنا کچھ پیارے کلمات کہنا جو مضمون آیت کے مطابق ہوں بہت بہتر ہے، مگر یہ سب کچھ قاری کی خاموشی کی حالت میں ہے۔''

میں پوچھتا ہوں اس عبارت سے استناد آپ کو کیا مفید ہے کہ آپ پہلے کہہ چکے ہیں' آپ تو پہلے سامع ہر استماع وانصات فرض کہہ آئے۔ چنانچہ یاد کیجیے آپ نے کہا تھا کہ ''جبکہ قرأت کے دوران استماع وانصات فرض ہے'' نیز کہا تھا کہ ''ماموم کی صورت

میں مخل سماع ہے اس لیے وہاں ناجائز ہے''۔

تو یہ نہ صرف کلام ائمہ بلکہ حکم آیت وحدیث کے معارض ہے، آپ کے مسلمہ و مقررہ امر کے بھی خلاف ہے۔ پھر اس متعارض سے استناد کیا معنی۔

نمبر۲۴ ۔امام کے پیچھے مقتدی کی ثنا پڑھنے کی بابت آپ نے جو تفصیل لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مقتدی نے اگر جہری نماز میں اقتدا کی تو اسے امام کے پیچھے سبحنک اللھم پڑھنا مطلقاً منع ہے، اگرچہ آہستہ پڑھے کیوں کہ آپ ہی کے الفاظ میں:

> ''امام کی طرف سے جہراً قرأت ہے اور اس کے درمیان اتنا بڑا کوئی وقفہ بھی نہیں کہ اس اثنا میں مقتدی یہ دعا پڑھ لے، لہٰذا استماع و انصات فرض ہوگا''۔

اور اگر مقتدی نے سرّی نماز میں امام کو پایا تو ایک قول پر ثنا پڑھنے کی مقتدی کو اجازت ہے، قطع نظر اس کے صاحبِ درمختار نے اس قول کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ فرمایا اور حلبی وطحطاوی نے اسے صاف صاف ضعیف فرمایا۔ درمختار کی اصل عبارت یہ ہے، جسے آپ نے بلاوجہ مختصر فرمایا:

> ''الا اذا شرع الامام القراءة سواء کان مسبوقاً او مدرکا وسواء کان امامه یجهر بالقراءة أولا وأنه لا یاتی به لما فی النهر عن الصغری ادرک الامام فی القیام یثنی یبدأ بالقراءة وقیل فی المخافتة یثنی''

اس جگہ علامہ طحطاوی نے شارح کی جانب سے متن کی عبارت میں تبدیلی کا سبب یہ بیان کیا کہ متن کی عبارت کا تقاضا یہ تھا کہ سرّی نماز میں مقتدی کو ثنا پڑھنا جائز ہے، اگرچہ امام قرأت کر رہا ہو اور یہ قول ضعیف ہے، لہٰذا شارح نے متن کی عبارت بدل دی۔

وھذا نصه.

"قولہ (وسواء کان یجهر) لما کان قضیة المتن جواز الثناء فی المخافتة وان بدأ الامام بالقراة و کان ضعیفا حول الشارح عبارة المصنف الی القول الصحیح حلبی"

اسی میں سرّی نماز میں جوازِ ثناء کے قول کے ضعف کی وجہ یوں بتائی:

"قولہ وقیل فی المخافتة یثنی' وجه ضعف هذاالقیل انه اذا امتنع علی المأموم قراء ة القرآن التی هی فرض فی الصلاة عند قراء ة الامام القرآن سرًا وجهرًا فلأن یمتنع علیه الثناء وهو نفل اولٰی یجامع التخلیط والتغلیط فی کل اھ حلبی."

یعنی یہ قول اس وجہ سے ضعیف ہے کہ جب مقتدی کو امام کی تلاوت کے وقت تلاوت کرنا منع ہو گیا حالانکہ قرأت نماز میں فرض ہے تو ثنا جو نفل ہے پڑھنا بدرجہ اولیٰ منع ہوگا، اس لیے کہ دونوں صورت میں قرآن کی تلاوت میں خلط اور اندیشۂ غلط موجود ہے۔ حلبی (اور اسی وجہ سے تلاوت کے وقت تلاوت وغیرہ منع ہے)

حلبی وطحطاوی کی رائے:

اقول علامہ حلبی وطحطاوی کی یہ بحث آیت کریمہ کے حکم کے عین مطابق اور اس جگہ علماء نے جو کچھ فرمایا ہے اس کے عین موافق ہے اور احادیث مبارکہ کہ جن میں تلاوت قرآن کے وقت منازعت سے ممانعت اور امام کی قرأت کے وقت انصات کا حکم ہے، کے ساتھ متلائم[1] ومتطابق ہے۔

علامہ شامی کی بحث:

اس کے برعکس علامہ شامی کی بحث (جس کا مفاد یہ ہے کہ سرّی نماز میں انصات

[1]...... بالکل مناسب اور مطابق وموافق

تعظیم قرآن کے لیے سنت ہے اور غیر حالت جہری میں مقتدی کا قرأت نہ کرنا وجوبِ انصات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے)، کلام علماء (جس میں مطلقاً وجوب انصات کی تصریح ہے) کے مصادم ہے بلکہ خود حدیث کے معارض ہے کہ حدیث میں "واذا قرء فانصتوا" فرمایا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ نہ قرأت امام میں جہری یا سرّی قید ہے بلکہ مطلق ہے اور نہ حکم انصات کو کسی حالت میں مقید کیا ہے اور خود علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے فصل فی القراء ة میں وجوبِ انصات در صلاۃ سریہ کا افادہ فرمایا ہے۔ وهذا نصه تحت قول الدر المختار :

"(ونصت اذا اسر) وكذا اذا جهر بالاولٰی ولٰی قال فی البحر وحاصل الآیة أن المطلوب بها أمران الاستماع والسکوت فیعمل بکل منهما والاول یخص الجهریة والثانی لا فیجری علی اطلاقه فیجب السکوت عند القراء ة مطلقا اھ"

تو یہاں ان کی بحث خود اپنے کلام سابق سے مصادم واقع ہوئی فتنبہ۔ اس سبب سے صرفِ نظر کر کے آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کے بقول......

جہری قرأت میں حق نبی کہنا:

''جب جہراً قرأت ہے لہٰذا استماع و انصات فرض ہوگا'' اور جہراً قرأت امام کرے یا خطیب خواہ کوئی حکم یکساں ہوگا۔ ملتقطاً لہٰذا حق نبی کہنے کی اجازت آپ کے نزدیک بھی جہری قرأت میں نہ ہونا چاہیے بلکہ سرّی قرأت میں ہونا چاہیے۔ پھر آپ اپنے ہی اقرار کے خلاف جہری قرأت میں حق نبی بآواز بلند کہنے کی رخصت کیسے دیتے ہیں اور وقفہ قاری میں ذکر وغیرہ کا جواز آپ کے کلام سے نکلتا ہے، اس کا ثبوت کتب مستندہ سے دیجیے اور اس سلسلے میں دلیل صریح لسالم عن المعارض پیش کرنا ہوگی اور یہ جو کہا ہے کہ

"جہاں سراً بھی قرأت نہ ہو وہاں استماع نہ واجب ہوگا نہ سنّت"۔

کیا اس کا حاصل یہ نہیں کہ قاری و امام و خطیب کے سکتات میں انصات واجب نہیں، حالانکہ اس سے پہلے جناب خود ہی دورانِ قرأت بلا استثناء سکتات' استماع و انصات فرض ہونے کا اقرار کر چکے ہیں، پھر یہ تقریر بعینہ اس صورت میں بھی جاری ہوگی جبکہ امام خطبہ کے لیے منبر پر چڑھ جائے تو آپ کے نزدیک انصات واجب نہ ہوگا۔ اب آپ ہی بتائیں کیا آپ کی یہ تقریر تصریحاتِ فقہا کے خلاف نہیں جو خطبہ کو نظیر قرأت بتاتے ہیں، بلکہ کافی میں تو افادہ فرمایا کہ خطبہ کو قرآن اسی لیے کہا گیا کہ وہ قرآن پر مشتمل ہے اور اس میں استماع و انصات کا حکم بھی اسی قرآن ہی کی وجہ سے ہے۔ افادہ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر وغیرہ فی غیرہا۔

اعلیٰ حضرت کا فتویٰ:

نمبر۲۴ کیا جلسہ بین الخطبتین اور خطبہ میں مشغول ہونے کی حالت یکساں ہے۔ ردالمحتار کی گزشتہ عبارت جو "قوله ولا كلام" سے شروع ہے، دیکھ کر بتایئے اور کیا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے اسی حالت شروع خطبہ میں دعا کی اجازت نقل فرمائی ہے اور خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ الرضوان کا مختار و معتمد کیا ہے اور ان کا عمل کیا ہے۔ رعاية المذهبين في الدعا بين الخطبتين دیکھ کر بتایئے اور جو سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ

"بے شک مذہب منقح حنفی میں متمدیوں کو اس احتراز کا حکم ہے"۔

اس سے کیا ثابت ہوتا ہے اور اعلیٰ حضرت کے کلام سے استدلال کرتے ہوئے اس کا جواب دیئے بغیر کیوں گزر گئے بلکہ اسے کیوں چھپایا؟

صاحبزادے کی علمیت:

نمبر۲۵ نائ عن المنبر پر قیاس کا اپنے گزشتہ فتویٰ میں رَد کر چکا ہوں اور بتا چکا

[1]......ایسی دلیل جو صحیح ہو اور ہر قسم کے اعتراض و عیب سے صاف ہو۔

ہوں آپ کی ذمے داری تھی کہ اس کا جواب دیتے مگر جواب کے بجائے پھر اسی قیاسِ مردود کو لے آئے اور مقیس علیہ بھی بزعم خویش وہ جس کا کہ مرجوح ہونا خود آپ کو مسلّم ہے اور مقیس وہ حالت شروعِ خطبہ ہے جس میں دعا و ذکر و تسبیح ائمۂ حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق منع ہے۔ کیا راجح سے مرجوح کی طرف عدول کسی مفتی کو روا ہے۔ پھر الفتیاء بالقول[1] المرجوح جهل وخرق للاجماع کا کیا محل ہے اور کیا ائمۂ حنفیہ کے حکم وفاقی کے بعد قیاس کی کوئی مجال ہے اور قیاس بھی ایسا کہ ائمۂ حنفیہ کا سارا کلام معاذ اللہ بالائے طاق رکھ دیا جائے بلکہ قرآن و حدیث سے بھی صرفِ نظر کر لیا جائے اور وہ کونسی صورت ہے جب بقول جناب کے "مکمل سکوت ہو" الخ کیا یہی جب خطیب آیت درود پڑھتا ہے؟ اور کیا اسی صورت میں بقول جناب' دیگر فقہا بھی کلام کے جواز سے انکار ہرگز نہیں کریں گے، ایسا ہے تو فقہا کا اس پر اجماع کتب مستندہ سے نقل کیجیے۔

نمبر۲۶ کیا قصد تلاوت اور قصد دعا یکساں ہیں یا دونوں جداگانہ دو شئے ہیں؟ بر تقدیر اوّل دونوں کا ایک ہونا کس دلیل سے ثابت ہے؟ بر تقدیر ثانی قصد دعا سے حکم بدل گیا، اب تلاوت نہیں دعا ہے اور دعا میں آمین کہنا روا ہے، تو اس صورت سے الزام کیونکر صحیح ہے کہ مانع[2] تو دورانِ تلاوت' استماع و انصات کی فرضیت اور کلام کی حرمت کا قائل ہے اور آیۂ درود کی تلاوت کا بھی وہی حکم ہے اور اس دوران زبان سے درود پڑھنا منع ہے اور ممانعت کی تصریح گزر چکی ہے، تو یہاں جو الزام دیا ہے مانع اس کا ملتزم ہے؟ ذمے داری تو آپ کی ہے کہ اس لازم کو باطل ٹھہرائیں۔

نمبر۲۷ اور جہری نماز میں الحمد شریف کے بعد مقتدی کو آمین کہنے کا حکم ہے، وہ بھی آہستہ تو یہ صورت مستثنیٰ ہے اور مستثنیٰ پر قیاس کرنا آپ ہی کا حصہ ہے، ورنہ اس میں آپ کا مخالف کون ہے بتایئے۔

[1]......قول مرجوح کے ساتھ فتویٰ دینا جہل ہے (جیسا کہ صاحبزادے نے کیا)   [2] منع کرنے والا

صاحبزادے پر جواب اُدھار ہے:

نمبر۲۸ اس جگہ جو دورانِ قرأت سبحٰن اللّٰہ، ماشاء اللّٰہ، اللّٰہ اللّٰہ کہنے پر جو تعامل کی بحث چھیڑی ہے اس کا جواب میں پہلے اپنے فتوٰی میں دے چکا ہوں اور اس مضمون میں بھی اس پر سوالات ہیں، ان کا جواب آپ پر اُدھار ہے اور العادة محكمة سے استناد کوئی نئی بات نہیں، الفاظ بدل کر وہی تعامل سے استناد ہے۔ تو اس کو وہی جواب کافی ہے اور وہی سوالات اس پر بھی متوجہ ہیں اور غیر حنفیہ کے مذہب میں کوئی بات بالاتفاق جائز سہی تو کیا وہ حنفیہ پر حجت ہو جائے گی، پھر اس تعامل کا حکم' صعود خطیب کے وقت آیۂ درود پڑھنے کی عادت پر' جو حکم ردالمحتار سے گزرا، اس سے معلوم کر لیجئے۔

علامہ کاظمی اور دیگر علماء کا قول:

نمبر۲۹ کیا نص کے خلاف' اور اجماع قدیم و مستمر کے معارض' اجماع متصور ہے، پھر مجھ سے متعدد علمائے پاکستان سے گفتگو ہوئی، جن میں علامہ احمد سعید صاحب کاظمی علیہ الرحمۃ والرضوان بھی ہیں، ان سب نے بیک زبان دورانِ تلاوت ''حق نبی'' وغیرہ سے ممانعت کا قول کیا ہے اور ایک دو کے سوا کسی نے جواز کا دعوٰی نہ کیا اور مدعی جواز سے کوئی دلیل نہ بن پڑی اور علمائے ہندوستان میں تو مجھے کوئی مستند عالم دین قائل جواز نظر نہ آیا تو اجماع کیسے ہو گیا۔

نمبر۳۰ جو اطلاق آیت کریمہ سے مستدل ہے، اسے قیاس کی کیا حاجت ہے، تو اس پر قیاس کب درست ہے اور نماز سرّی[1] اور نـائ عن المنبر[2] کی صورت میں قرأت کا استمرار[3] اور وقفات کا عدم اعتبار[4] اور آیتِ درود میں قرأت کا انتفاء[5] اور وقف کا جوازِ تکلم[6] کے لیے اعتبار کس دلیل پر مبنی ہے اور وجہ فرق کیا ہے؟ فقط

فقیر محمد اختر رضا خاں ازہری قادری غفرلہ

یکم ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ

۱...... جس میں تلاوت آہستہ ہو (ظہر و عصر)

۲...... منبر سے دور ۳...... جاری رہنا ۴...... اعتبار نہ ہونا ۵...... ختم ہو جانا ۶...... بولنا جائز ہونا

تصدیق

فاضل جلیل حضرت مفتی محمد نظام الدین صاحب

نائب مفتی الجامۃ الاشرفیہ، عربی یونیورسٹی، مبارکپور

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

حامداً او مصلیاً

حضرت علامہ ازہری صاحب مدظلہٗ العالٰی نے ''وقف و قطع کی بنیاد پر جو فرق احکام کیا ہے صحیح و درست ہے، تھوڑی دیر سانس لینے کے لیے آئندہ قرأت کی نیت سے خاموشی قرأت ہی کے حکم میں ہے، ایسی خاموشی سے قرأت میں فصل نہیں پیدا ہوتا بلکہ قرأت ایک دوسرے سے متصل ہی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے باب طلاق میں یہ صراحت فرمائی کہ اگر شوہر أنـتِ طـالـق کہہ کر سانس لینے کے لیے کچھ دیر خاموش رہا، اس کے بعد ان شاء اللہ کہا تو یہ استثنا موصول ہی رہے گا اور طلاق نہ واقع ہوگی۔ ''یُصلُّونَ عَلَی النَّبِی'' پر خاموشی بلاشبہ اسی ''وقف'' کے باب سے ہے، لہٰذا سامعین پر اس وقف کے زمانے میں بھی ''انصات'' فرض ہوگا۔ اتقان شریف میں ہے:

ألثامن' الوقفُ والقطعُ والسكتُ عباراتٌ يطلِقها المتقدّمون غالباً مرادً ابها الوقف. والمتأخّرون فرّقوا' فقالوا القطعُ عبارة عن قطع القراءة رأساً. فهو كالانتهاء، فالقارى بهٖ كالمعرِض عن القراءِةِ وانمتقلِ الٰى حالةٍ اُخرىٰ غيرها، وهو الّذى يُستعاذ بعده للقراءِةِ المستانقة ولايكون الّا على رأس اية لانّ رؤس الاى فى نفسها مقاطع. والوقفُ عبارة عن قطع الصوت عن الكلمة زمناً يتنفّس

وفیہ عادة بنیّة استیناف القراء ة، لا بنیّة الاعراض، ویکون فی رؤس الأیٔ وأو ساطھا ولا یاتی فی وسط الکلمة، ولا فیما اتّصل رسماً. والسکت عبارة عن قطع الصوت زمناً هو دون زمن الوقف عادة من غیر تنفس اھ ملخصّا.

(تفسیر اتقان فی علوم القرآن، ص ۱۲۶۔ تنبیہات، مطبع احمدی)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(قال لها: انتِ طاق ان شاء اللّٰہ متصلًا) الّا لتنفّس أو سعالٍ، أوجشاء، اوعطاس، او ثقل لسانٍ (لا یقع) اھ ملخّصا.

رد المحتار میں ہے: (قولہٗ متّصلًا) احتراز عن المنفصل بأن وجد بین اللفظین فاصل من سکوت بلا ضرورة تنفس و نحوه و قیّد فی الفتح السکوت بالکثیر. وفی الخانیة قال: لزوجتہٖ "انت طالق" وسکت، ثمّ قال "ثلثا" ان کان سکوتہٗ لانقطاع النفس تطّلق ثلثا والا واحدةً الخ (قولہٗ الّا لتنّفسٍ) أی وان کان لہ منہ بدّ، بخلاف مالوسکت قدرَ النفس ثم استثنٰی، لا یصحّ الا ستثناء للفصل کذا فی الفتح. فعلم أن السکوت قدر النفس بلا تنفّس کثیر، وأن السکوت للتنفّس ولو بلا ضرورة عفو اھ

(ج ۲، ص ۵۰۹، مکتبہ نعمانیہ، باب التعلیق)

جلسوں یا اس طرح کی محفلوں میں تلاوتِ قرآن کے وقت ''اوقاف'' پر کچھ سامعین کا سبحان اللہ یا اس طرح کے کلمات کہنا بھی ناجائز ہے، وجہ وہی ہے کہ یہ اوقاف بھی تلاوت کے حکم میں ہیں۔ ایسے موقع پر علماء کی خاموشی ضرور محلِ غور ہے، مگر اسے تعامل یا اجماع کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

علمائے کرام کی یہ خاموشی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس کی تحقیق نہیں فرمائی اور عام طور سے اس کی طرف ان کی توجہ مبذول بھی نہ ہو سکی اور ایسا کوئی بعید نہیں ہے کہ کسی نو پیدا مسئلے کی طرف علماء کی توجہ نہ ہو پائے، جیسے اذانِ خطبہ، کہ پتہ نہیں کب سے مسجد کے اندر، منبر کے متصل رائج ہو گئی اور علماء کو اس کی تحقیق کی طرف توجہ نہ ہو سکی۔ ٹھیکہ کے ایک مسئلے کے متعلق امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''باوصف کمالِ وضاحت اس دارالفتن ہندوستان میں (یہ) ایسا خفی مسئلہ ہے جس سے یہاں کے اکابر علماء غافلِ محض اور خود اس میں اور اس کی تحلیل میں مبتلا ہیں۔ چودہویں صدی کے علماء ہیں باعتبار حمایتِ دین و نصرت سنت، نیز بلحاظ تفقہ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقادر صاحب بدایونی رحمہٗ اللہ کا پایہ اکثر معاصرین سے ارفع تھا...... ایسے فاضل جلیل کے پاس ۱۳۰۲ھ میں جب فقیر کا فتویٰ اس ٹھیکے کی حرمت میں گیا جس میں اس وجہ سے کہ فقیر اس وقت اپنے دیہات میں تھا اور سوا خیریہ و ردالمحتار کے کوئی کتاب ساتھ نہ لے گیا تھا فقط فتاویٰ خیریہ کی بعض عبارات تھیں۔ حضرت موصوف نے بعد تاملِ بسیار اس پر صرف اس مضمون سے تصدیق تحریر فرمائی کہ ''نظر حاضر میں ان عبارات سے عدم جواز ہی معلوم ہوتا ہے'' جب فقیر شہر کو واپس آیا، مفصل فتویٰ عباراتِ کثیرۂ کتب عدیدہ پر مشتمل لکھ کر بھیجا، اب حضرت نے پورے وثوق سے تسلیم کیا...... یہی حال اور علمائے اطراف کا ہے...... مبارک ہیں وہ بندے کہ حکم پر مطلع ہو کر حق کی طرف رجوع لائیں۔''

(انتہی ملخصا۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ۶، ص ۳۶۶، ۳۶۷، سنی دارالاشاعت)

خود فاضل محقق جناب صاحبزادہ محترم غور فرمائیں کہ وہ ایک عالم دین ہیں، اگر

عدم توجہ وتحقیق کی وجہ سے اب تک ناجائز امر کو جائز سمجھتے رہے تو یہ کوئی ناممکن امر نہیں اور بغیر تحقیقِ حق کے کسی مسئلے پر اجماع بھی ہو جائے تو اس کا قطعی اعتبار نہ ہوگا مسلم الثبوت و فواتح الرحموت میں ہے:

(مسئلة: لا أجماع الّا عن مستندٍ) شرعي (على المختار، لنا أولًا: ألفتوىٰ بلا دليل شرعى حرام) واذ ليس ههنا دليل غير الاتفاق (فقول كلّ يتوقف على قول الكل وبالعكس) وهو ظاهر، فلزم الدور...... انّ الفتوىٰ لاعن دليلٍ لمّا كان حراماً لا يجترئ عليه عدل ولو اجترأ صار فاسقا فلم يبق اهلًا للاجماع ولا للتكريم فلا اعتد او بقولهم فافهم (و) لنا (ثانياً يستحيلُ عادةً اتفاقُ الكلّ لالداع) فلا يوجد اتفاق من غير دليل (كعلىٰ طعام) أى كما يتحيل عادةُ اتفاق الكل علىٰ طعام واحدٍ لعدم الداعى (وتجويز العلم الضرورى) أى يحدث العلم الضرورى فيقع الاتفاق عليه (أو توفيقهم للصواب) بأن يقع فى قلبهم ماهو صواب (أبعدُ) اھ ملخّصا

(ج۲، ص ۲۳۸، مكتبة التراث الاسلامية)

جو لوگ اس مسئلے میں حکم شرعی کا علم نہ ہونے کی وجہ سے مبتلا رہے، اُمید ہے کہ وہ عند اللہ معذور ہوں گے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ عبارتِ مذکورہ بالا کے بعد اسی ٹھیکہ والے مسئلے کے متعلق لکھتے ہیں:

”ایسا تامتش مسئلہ کہ یہاں کہ فحولِ علماء پر مخفی ہو اور عوام کی دوڑ انہیں تک ہے۔ اگر عوام قبل اطلاعِ حکم اس میں مبتلا ہوں تو یہ نہ کہنا چاہیے کہ انہوں نے قصداً ارتکاب حرام کیا“۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۶، ص ۳۶۷)

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ

محمد نظام الدین الرضوی

اشرفیہ مبارکفور اعظم جراہ

۱۷ رجمادی الآخرہ ۱۴۱۰ھ

مہر

(۲) تصدیق۔ شہزادۂ صدر الشریعہ وخلیفہ مفتی اعظم محدثِ کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری

شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ، عربی یونیورسٹی مبارکپور

الجواب صحیح واللہ اعلم۔

ضیاء المصطفیٰ قادری

۱۵ رجمادی الاخریٰ ۱۴۱۰ھ

(۳) تصدیق۔ نائب مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی

خلیفہ مفتی اعظم وصدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ، عربی یونیورسٹی مبارکپور

شارح بخاری

الجواب صحیح، واللہ تعالیٰ عالم۔

محمد شریف الحق امجدی

۲۵ رجمادی الآخرہ ۱۴۱۰ھ

(۴) تصدیق۔ حضرت مولانا محمد معراج القادری

مفتی دار الافتاء الجامعۃ الاشرفیہ، عربی یونیورسٹی مبارکپور

الجواب صحیح والمجیب نجیح۔

محمد معراج القادری

خادم افتاء اشرفیہ مبارکپور

۲۵؍ جمادی الآخرہ ۱۴۱۰ھ

(۵) تصدیق۔ مولانا زاہد سلامی صاحب

الجامعۃ الاشرفیہ، عربی یونیورسٹی مبارکپور

الجواب صحیح۔

زاہد سلامی قادری غفرلہٗ

۲۵؍ جمادی الآخرہ ۱۴۱۰ھ

(۶) تصدیق۔ فاضل جلیل مولانا مولوی بہاء المصطفیٰ صاحب

شہزادۂ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ وخلیفہ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ

واستاذ جامعہ منظر اسلام بریلی شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

درمیانِ تلاوت ''حق نبی'' سامعین کا کہنا بدعت و ناجائز ہے۔ اگر برسبیل تنزل مجوزین کے قول کو صحیح و درست تسلیم کرلیا جائے تو کتنی خرابیاں لازم آئیں گی اور امتدادِ زمانہ سے کیا کیا گل کھلے گا جو ظاہر ہے۔ اولاً۔ یہاں حق نبی کہنے کا کیا موقع ومحل ہے۔ ثانیاً عوام رفتہ رفتہ حق نبی کہنے کو جواب وضروری تصور کرنے لگیں گے۔ ثالثاً اپنی کم علمی سے اسے علامتِ اسلام و معیارِ سنیت قرار دینے لگیں گے، جیسا کہ گجرات کے بعض طلبا نے مجھے بتایا کہ ہمارے یہاں جو اس وقت ''حق نبی'' نہیں کہتا اس کو برا جانتے ہیں اور کہنا ضروری سمجھنے لگے ہیں۔ لہٰذا اگر بہ روزِ اوّل باید کشتن پر عمل کرتے ہوئے اس بدعت سے پرہیز لازم ہے۔ فاضل معقول ومنقول مفتی آفاق حضرت علامہ اختر رضا مدظلہ العالیہ کا فتویٰ حق نبی کہنے کے سلسلے میں نظر سے گزرا اور اپنے ارشاداتِ عالیہ کی تصدیق وتائید کے

لیے مجھ سے بھی فرمایا، یہ ان کی ذرّہ نوازی اور کرم فرمائی ہے کہ ہم جیسوں سے بھی اپنے ارشاداتِ عالیہ کی تائید وتوثیق چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے ارشاداتِ عالیہ کو نہ اس تائید و تصدیق کی ضرورت اور نہ کسی کی عدم تائید وتوثیق سے ضرر۔ میرے نزدیک ان کا جواب باصواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بہاء المصطفیٰ قادری

خادم الطلبہ جامعہ منظر اسلام، بریلی شریف

۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

(۷) تصدیق۔ فاضل جلیل استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا تحسین رضا خان صاحب

برادرزادہ وخلیفہ مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ (نبیرۂ مولانا حسن رضا خانصاحب قدس سرہ) و صدر المدرسین جامعہ رضویہ نوریہ بریلی شریف

۷۸۶

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ مجیب فاضل علامہ اختر رضا خاں صاحب سلمہٗ ربہٗ نے مسئلہ کی خوب وضاحت کردی، تمام شکوک واوہام کا ازالہ کردیا، بنظر منصف کو قبولِ حق کے سوا چارہ نہ رہا۔ دلائل سے ثابت ہوگیا کہ دورانِ قرأت سامع پر استماع و انصات ہی واجب ہے، نیز وقفات قاری بھی قرأت کے حکم میں ہیں۔ جب تک قاری قرأت پوری نہ کرے سامع کا وظیفہ یہی ہے کہ وہ ہمہ تن گوش ہوکر سنتا رہے، کسی قسم کا ذکر لسانی حتیٰ کہ تلاوت بھی نہیں کرسکتا، نہ کوئی اور کام جو مخلِ استماع یا باعثِ غفلت ہو کرسکتا ہے۔ یہی آیت کریمہ اور احادیث شریفہ کا مفاد ہے اور یہی علماء عظام کے ارشادات سے ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ فھذا ھو الحق والحق احق ان یتبع

کتبہ

فقیر تحسین رضا غفرلہ

(۸) فتویٰ: حضرت مولانا مفتی محمد احمد جہانگیر خانصاحب مدظلہ

خلیفہ حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ وسابق مفتی مرکز اہلسنّت منظر اسلام، بریلی شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ دورانِ خطبہ و تلاوت بولنا یا زبان سے ذکر و تلاوت کی اجازت ہے یا نہیں؟ کیا قاری کے سکتات میں تکلم کی رخصت ہے۔ حضرت علامہ ازہری میاں صاحب قبلہ نے فتویٰ دیا ہے کہ ’’دورانِ خطبہ وتلاوت ’حق نبی‘ کا نعرہ لگانا منع ہے‘‘ ان کا یہ فتویٰ درست ہے یا نہیں۔ فقط

المستفتی

شرف الدین نوری

خطیب مسجد میوہ فروشاں، اودے پور

مورخہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۸۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: نحمدہ و نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

قرآن کریم کا فرمان واجب الاذعان یہ ہے۔ اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعکم ترحمون ۔ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔ علامہ اختر رضا خاں ازہری کا فتویٰ اس آیت کے حکم کی روشنی میں حق وصحیح ہے۔ جو شخص رحمت رحیم چاہے وہ خطبہ وتلاوت کے وقت گوش ہوش سے بغور سنے اور رحمتِ الٰہی سے سرفراز ہو اور محرومی اپنی قسمت میں پسند کرنے والا خطبہ وتلاوت کے وقت نعرہ لگائے اور حکم قہار کی نافرمانی کر کے قہر میں گرفتار ہو کر عذابِ نار کا حقدار بنے۔ واللّٰہ الھادی وھو تعالیٰ اعلم و علمہ احکم ثم رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم.

کتبہ محمد احمد جہانگیر غفرلہ ولآباۂ

مہر سابق مفتی مرکز اہلسنّت منظر اسلام، بریلی شریف

(۹) تصدیق: فاضل جلیل مولانا مولوی سید شاہد علی رضوی

خلیفۂ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ وناظم اعلیٰ الجامعۃ الاسلامیہ

گنج قدیم، رام پور

الجواب صحیح

فقیر مولوی سید شاہد علی رضوی غفرلہ

ناظم اعلیٰ الجامعۃ الاسلامیہ

گنج قدیم رامپور

۱۵ر جمادی الاخری ۱۴۱۰ھ

(۱۰) تصدیق: مولانا محمد ادریس صاحب

ناظم الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور

الجواب صحیح

محمد ادریس غفرلہ

ناظم الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

(۱۱) فتویٰ: حضرت مولانا مفتی محمد مجیب اشرف صاحب خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ وناظم اعلیٰ دار العلوم امجدیہ، ناگپور

۷۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ دورانِ تلاوت و خطبہ ذکرِ لسانی کی اجازت ہے یا نہیں؟ اگر آیتِ درود یا سرکار (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کا نام اقدس آئے تو سننے والوں کو کیا حکم ہے؟ جانشین مفتی اعظم علیہ الرحمہ حضرت محمد اختر رضا خاں ازہری نے دورانِ تلاوت وخطبہ ذکرِ لسانی سے ممانعت کا فتویٰ دیا ہے۔ ان کا یہ

فتویٰ حق وصواب ہے کیا؟

سائل: عبدالنعیم عزیزی
سوداگران بریلی شریف
۹۲/۷۸۶

الجواب: تلاوتِ قرآن اور خطبہ کے درمیان ذکرِ لسانی جائز نہیں، یونہی اگر اثنائے خطبہ وتلاوت آیتِ درود پڑھی جائے تو زبان سے درود شریف پڑھنے کی اجازت نہیں۔ حضرت العلام ازہری صاحب کا فتویٰ حق وصواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد مجیب اشرف
ناظم اعلیٰ دارالعلوم امجدیہ ناگپور

(۱۲) تصدیق: حضرت مولانا مفتی غلام محمد خانصاحب خلیفہ مفتیٔ اعظم قدس سرہ وشیخ الحدیث ومفتی دارالعلوم امجدیہ، ناگپور

الجواب: صحیح

غلام محمد خاں غفرلہ
دارالعلوم امجدیہ، ناگپور

(۱۳) تصدیق: حضرت مولانا مفتی محمد یامین صاحب رضوی مرادآبادی
جامعہ حمیدیہ رضویہ، مدنپورہ، بنارس

هذا حكم المفتى المطاع حقيق بالاتباع.

محمد یامین الرضوی المرادآبادی
خادم دارالافتاء ومدرس جامعہ حمیدیہ رضویہ
مدنپورہ بنارس۔ یوپی
۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

(۱۴) تصدیق: فاضل جلیل مولانا مفتی محمد ایوب نعیمی صاحب
مفتی جامعہ نعیمیہ، مرادآباد

میری تحقیق میں درمیانِ آیت چاہے وقفہ کر کے ”حق نبی“ کا عمل جیسا کہ وہاں رائج ہے، جائز نہیں۔ ہاں آیت کی تکمیل کے بعد مذکورہ شغل اور صلاۃ وسلام بلاشبہ مستحق ہوگا۔ اس کی روشنی میں حضرت علامہ الحاج الشاہ ازہری میاں صاحب قبلہ کے مواخذات و معارضات استحسان وعمل حق نبی پر بہت خوب اور علم ودانش کے پہاڑ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مہر
دارلاافتاء جامعہ نعیمیہ
مرادآباد

فقیر محمد ایوب نعیمی غفرلہ
دارالافتاء جامعہ نعیمیہ، مرادآباد یوپی

(۱۵) تصدیق: فاضل جلیل علامہ مولانا محمد ہاشم صاحب رضوی خلیفۂ مفتی اعظم
استاذ جامعہ نعیمیہ مرادآباد

فقیہ اعظم حضرت الحاج علامہ اختر رضا خانصاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی مسئلہ مذکورہ میں براہینِ قاطعہ سے مزین وآراستہ تحقیق کی میں حرف بحرف تائید کرتا ہوں۔

محمد ہاشم غفرلہ
خادم جامعہ نعیمیہ، مرادآباد
۱۲ر جنوری ۱۹۹۰ء

(۱۶) تصدیق: فاضل جلیل مفتی مولانا قاضی محمد عبدالرحیم صاحب بستوی
خلیفۂ مفتی اعظم ومفتی مرکزی دارالافتاء، بریلی شریف

الجواب صحيح والصواب والمجيب مصيب و مثاب. فی الواقع آیت کریمہ ان اللّٰه وملئكة يصلّون على النبى کی تلاوت کے وقت سامعین کا حق

نبی کہنا آدابِ تلاوت کے خلاف اور بدعتِ ممنوعہ ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق ہونا بیشک حق ہے مگراس کا اظہار اس وقت بلند آواز سے کرنا استماعِ قرآن کے منافی ہے۔ اس وقت مطلقاً استماع وانصات کا حکم ہے اور ہر اس قول فعل کا ترک ضروری ہے جو مخل انصات واستماع ہو۔ خطیب دورانِ خطبہ آیۂ کریمہ پڑھے تو اس وقت بھی درود شریف بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت ہے۔ حنفی فقہا کرام کے کلمات سے یہی ظاہر ہے اور قرآن مجید کے اطلاق کا مفاد یہی ہے۔ دعویٰ محبت کا اظہار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ شریعتِ مطہرہ کی حدود میں رہ کر کیا جائے۔ جس امر سے شریعت نے منع فرمایا ہے اس سے احتراز کیا جائے۔

علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں اس مسئلہ پر مفصل کلام فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"الکلام عند قراء ۃ القران العظیم فان استماع القران والانصات عند قراء ته بالوصف المذکور واجب ای مطلقاً سواء کان فی الصلاۃ او خارجها وکان السامع فاهما للمعانی او غیر فاهم فی ظاهر المذهب قال اللّٰه تعالیٰ واذا قرئ القرآن ای قرأه احد فاستمعوا له وانصتوا ای اترکوا الکلام والاشتغال عنه وان کانت الآیته نزلت فی قراء ۃ الماموم خلف الامام ولکن اللفظ عام والعام قطعی فی مفهومه عندنا فیصلح دلیلا لوجوب الاستماع خارج الصلاۃ فان العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص بالسبب."

حضرت علامہ فہامہ مولینا اختر رضا خانصاحب ازہری کا جواب حق ولائق قبول ہے۔ واللّٰہ الهادی وهو تعالیٰ اعلم.

قاضی محمد عبدالرحیم بستوی غفرلہ القوی

مہر

(۱۷) تصدیق: فاضل جلیل مولانا مولوی محمد صالح صاحب بریلوی نوری

مدرس جامعہ منظر اسلام، محلّہ سوداگران، بریلی

حضرت مجیب موصوف علامہ ازہری میاں صاحب قبلہ (ادام اللہ تعالیٰ نجمہ النوری العلمی طالعاً لاہل السنن) نے اس مسئول عنہ رواج کا جو حکم تحقیق فرمایا ہے وہی حق وصحیح ہے۔ حضرت کے موقف سے خادم ناچیز کو پورا اتفاق ہے۔ بے شک وشبہ یہ رواج جائز نہیں۔ قرآن وحدیث وفقہ، عقل وعرف سب کی رو سے صاف غلط، صریح ناروا ہے۔ واجب الترک ہے۔ اس کی تجویز وترویج وتائید وتوثیق سے احتراز ورجوع لازم ہے۔ هذا ما بدالی والعلم بالحق والصواب عنداللّٰه تعالیٰ والیه الرجوع والمآب. وصلی عزوجل علیٰ سیدنا ومولانا محمد وآله واصحابه وبارک وسلم.

والحمدللّٰه ربّ العالمین

راقم السطور

محمد صالح بریلوی قادری غفرلہ ولوالدیہ

خادم مدرسہ منظر اسلام، بریلی شریف

۱۱-۶-۱۴۱۰ھ

(۱۸) تصدیق: مولانا محمد توصیف رضا خانصاحب مدظلہٗ

(صدر کل ہند) آل انڈیا سنّی جمعیت العوام، بریلی شریف

۸۶/۷/۹۲۔ واضح ہو کہ کچھ شرارت پسند حضرات مجھ سے منسوب کر کے یہ افواہ پھیلا رہے ہیں کہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں صاحب ازہری دامت برکاتہم العالیہ جب مصر سے واپس تشریف لائے تھے تو موصوف نے گھوڑے کی قربانی کو جائز قرار فرمایا تھا۔ اولاً تو یہی غلط ہے کہ گھوڑے کی قربانی جائز ہے، دوسرے یہ سراسر جھوٹ وبے بنیاد

اختراع ہے کہ حضرت اختر رضا خانصاحب نے اسے جائز قرار دے دیا ہے اور نہ ہی میں نے کبھی اس قسم کی بدگوئی کہیں بھی، کبھی بھی کی ہے۔

حضرت موصوف ہمارے خاندان کے بزرگ و برتر شخصیت ہیں اور تمام ہی اہلِ خاندان آپ کا احترام کرتے اور آپ سے اُنسیت رکھتے ہیں۔ اس قسم کی بہتان تراشی یا نازیبا الفاظ ان کی شان میں ہم میں سے کوئی بھی فرد کہنے یا کرنے کی جرات نہیں کرسکتا۔

مزید یہ کہ موصوف کا فتویٰ 'حق نبی' سے متعلق جو ہے وہ صحیح ہے اور میں بھی اس سے اتفاق رکھتا ہوں۔

فقیر محمد توصیف رضا خاں

خادم مرکز اہلسنّت بریلی شریف

(۱۹) تصدیق

حضرت علامہ مولانا ابو حماد مفتی احمد میاں برکاتی، مفتیِ اہلسنّت حیدر آباد

شیخ الحدیث دار العلوم احسن البرکات، حیدر آباد

۷۸۶

فقیر نے حضرت مفتی محمد اختر رضا خاں قادری زید مجدہم جانشین مفتیِ اعظم ہند کا جواب بغور پڑھا۔ حضرت نے اپنے جواب باصواب میں جن دلائلِ قاہرہ کے ساتھ 'دورانِ قرأتِ قرآن کریم' کسی بھی نعرہ لگانے کے عدم جواز پر جو روشنی ڈالی ہے، اس سے بہت سے اصحابِ علم وفہم کے علم میں اضافہ ہوا ہے اور ایک خصوصی مسئلے پر عوام وخواص کو آگہی حاصل ہوئی ہے۔ فقیر قادری برکاتی غفرلہ الولی القوی نے اس نازک مسئلے پر صاحب زادے صاحب...... اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تحریری مکالمات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا جواب حق اور تحقیقی ہے جبکہ صاحب زادے صاحب...... کی تحریر میں ثبوتِ دعویٰ، دلائلِ مرجوحہ اور ضعیفہ کے ذریعہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت مفتی اختر رضا خاں ازہری مدظلہ نے اپنے

جواب میں ان دلائل کی تضعیف بہ دلائلِ قاہرہ ثابت فرمائی ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے اپنے دعویٰ کی تائید میں جو چار احادیث ذکر فرمائی ہیں' حضرت مفتی اختر رضا خاں صاحب نے ان کی تشریح اور ان کا حکم محدثین کے اقوال سے بیان فرمایا اور مزید دس احادیث سے اپنے قول کو واضح فرمایا اور نہایت نفیس پیرایہ میں کئی اقوالِ فقہاء سے یہ مسئلہ سمجھا دیا کہ دورانِ قرأت سکتات ووقفات میں بھی جب تک کہ قاری قرأت کو قطع نہ کردے تکلم ناجائز ہے۔ اس لیے کہ سکتہ اور وقفہ بھی قرأت کے حکم میں ہے اور یہ فرق حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا، لکھتے ہیں:

أَلقطعُ عبارة عن قطع القراء ة رأسا. فهو كالاء نتهاء فالقارى به كالمعرض عن القراء ةِ وانما انتقل الٰى حالة أخرىٰ غيرها والوقفُ عبارة عن قطع الصوت عن الكلمة زمناً يتنفس فيه عادة بنيّة استيناف القراء ة بنيّة الاعراض.

ترجمہ: ''قطع سے قرأت کا'' سرے سے ہی قطع کر دینا مراد ہے' اس لیے وہ ایسا ہے جیسے پڑھنا روک دیا۔ اس کا پڑھنے والا گویا قرأت سے منہ موڑ کر کسی دوسری حالت میں منتقل ہو جاتا ہے۔''

اور فرمایا:

''وقف سے یہ مراد ہے کہ اتنی دیر کے لیے کلمہ سے قطع صوت آواز بند کر لی جائے جتنی دیر میں معمولاً سانس لیا جاتا ہے اور اس سے مقصد قرأت کو جاری رکھنا ہے نہ کہ بالکل بند کر دینا''۔

(ترجمہ الاتقان، حصہ اوّل، ص ۲۲۷)

اور پھر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ بحث مطلقاً حق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے کے بارے میں ہرگز نہیں ہے بلکہ عند القراۃ ''حق نبی'' صلی اللہ علیہ وسلم کہنے سے ہے۔ اور اس کو یوں سمجھ لینا چاہیے کہ بہت سے اُمور ایسے ہیں جو باعثِ ثواب ہیں مگر مخصوص

حالات میں ناجائز وحرام، تو اگر کوئی شخص ان کو بیان کرے اور ایسے محل بتائے کہ جہاں وہ فعل ناجائز فرمایا گیا ہو تو اسے عدم جواز کا قائل نہ بتایا جائے گا بلکہ یہی کہا جائے گا کہ حق بات بتائی اور مسئلہ سمجھایا۔ مثلاً

۱- مسجد میں جانا ثواب ہے............ مگر جنبی کے لیے مسجد میں جانا حرام ہے۔

۲- قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا عبادت اور ثواب ہے.......... مگر نماز میں دیکھ کر پڑھنا نماز کو فاسد کر دے گا۔

۳- قرآن کریم کو چھونا' ہاتھ میں لینا ثواب ہے..... مگر بے وضو یا جنبی کو ایسا کرنا حرام ہے۔

۴- قرآن کی تلاوت ثواب ہے.......... مگر جنبی کے لیے تلاوتِ قرآن حرام اور گناہ ہے۔

۵- درود شریف پڑھنا باعثِ برکت اور ثواب ہے.......... مگر جھوٹی قسم کو ثابت کرنے کے لیے درود شریف پڑھنا حرام ہے۔

۶- کھانا پینا طیب وحلال کا جائز ہے..... مگر نماز اور روزہ میں مطلقاً کھانا پینا حرام ہے۔

۷- خاکِ شفا مدینہ طیبہ کھانا ثواب ہے.......... مگر عام مٹی کا کھانا' ناجائز ہے۔

۸- عورت کے لیے بھی حج کرنا ثواب ہے..... مگر بغیر محرم کے جانا گناہ ہے۔

۹- نماز پوری پڑھنا لازمی وضروری ہے..... مگر مسافر قصداً چار فرض پڑھے تو گناہ گار و مستحق نار ہے

۱۰- منکوحہ کے ساتھ رہنا' ملنا حلال وثواب ہے..... مگر طلاق کے بعد وہی عورت حرام ہے۔

تلک عشرۃ کاملة...... وامثاله کثیرۃ فی الشریعة۔ سمجھنے کے لیے یہ دس مثالیں کافی ہیں ورنہ امثال وشواہد کثیر ہیں' اسی طریقہ سے:

۱۱- ''حق نبی'' کہنا جائز ہے بلکہ ہر مومن کے دل کی آواز ہے..... مگر قرأت کے دوران وقفہ میں بھی ''حق نبی'' کہنا منع ہے کہ یہ وقفہ بعض فقہا کے نزدیک' قرأت کے حکم میں ہے اور قرأت کے وقت سکوت لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی موضوع پر صاحب زادے صاحب کا ایک رسالہ ''حق نبی'' (صلی اللہ علیہ وسلم)

بھی نظر سے گزرا' جس کے آخر میں فقیر کے والد گرامی' حضرت علامہ مفتیِ اعظم سندھ و بلوچستان' مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی نوری نور اللہ مرقدہٗ کا ایک فتویٰ بھی' یہ تأثر دے کر شائع کیا گیا ہے کہ مفتیِ اعظم نے' دعا میں اس موقعۂ تلاوتِ قرآن کے درمیان حق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنا جائز قرار دیا ہے۔

حالانکہ مرتبِ کتاب کے مدّعا کو اس فتویٰ سے وہ مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

مرتب یہ امر بخوبی جانتے ہوں گے کہ مفتی فتویٰ دیتے وقت سائل کے سوال کو پیش نظر رکھتا ہے اور اتنا ہی جواب دیتا ہے جتنا ضروری ہوتا ہے۔ اب دوبارہ اس سوال کو بغور پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ سائل نے کس چیز کا جواب مانگا ہے' سائل کے الفاظ قابلِ غور یہ ہیں......

یصلون علی النبی پر' پڑھنے والا وقف کرتا ہے تو مقتدی ''حق نبی'' کہتے ہیں (یہاں تک تمہید ہے۔ اب اصل سوال شروع ہوتا ہے)

اس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ نبی حق ہیں، باقی دوسرے حق نہیں۔ لہٰذا اس بارے میں حکم شرع سے مطلع فرمائیں''

خط کشیدہ الفاظ میں جو سوال بنا' حضرت مفتیِ اعظم نے اس کا جواب مرحمت فرما دیا کہ ''...... کتب عقائد میں ہزار جگہ مذکور ہے القرآن حق' والقیامۃ حق' والصراط حق' تو کیا حق صرف ان میں سے کسی ایک میں منحصر ہے باقی سب ناحق' یہ محض جہالت ہے۔ مولا عزوجل اپنی پناہ میں رکھے''۔

یعنی حضرت نے اس بات کی وضاحت فرما دی کہ بہت سی چیزیں حق ہیں' یہ سمجھنا جہالت ہے کہ صرف یہی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) حق ہیں، باقی دوسرے ناحق...... اس فتویٰ کے کسی بھی لفظ یا کلمہ یا قرینہ سے' مرتب کا مدّعا کہ ''حق نبی دورانِ قرأت جائز ہے'' ثابت نہ ہوگا.......... یہ فتویٰ حضرت نے ۱۷ر شعبان ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء) کو لکھا ہے...... اور فقیر نے خود حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ سے غالباً ۱۹۸۲ء میں اس مسئلہ پر

استفسار کیا تھا کہ آیا اس موقع پر ''حق نبی'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنا چاہیے یا سکوت اختیار کرنا چاہیے؟ حضرت نے فقیر سے ارشاد فرمایا: (بلفظہٖ) ''میاں ہونا تو یہ چاہیے کہ یہاں سکوت ہی کیا جائے کہ ابھی قرأت ہو رہی ہے''۔ اس کے بعد (آیت پوری ہونے کے بعد) اگر چاہے تو ''حق نبی'' یا ''لَبَّیْکَ'' کہہ کر درود شریف پڑھے...... فقیر برکاتی عرض کرتا ہے کہ واضح رہے کہ بلادِ عرب میں سے بعض مقامات پر اس جگہ آیت پوری ہونے کے بعد ''لَبَّیْکَ'' یا ''اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ'' یا ''صَلُّوْا عَلَی النَّبِیِّ'' کہنے کا رواج ہے، جو قطع قرأۃ کے بعد ہی ہوتا ہے۔

فقیر کو بھی' اکثر شہروں' اور مختلف مقامات میں' اکابر علماء و شیوخ کے ساتھ نماز میں اور دعا میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا ہے، مگر کسی مستند عالم یا محدث' یا شیخ الحدیث یا مفسر کو اس موقع پر ''حق نبی'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نعرہ لگاتے نہ سنا۔ ہاں ماحول کا اثر قبول کرتے ہوئے جوش میں' سہواً اگر کسی عالم کے منہ سے کبھی یہ الفاظ نکل گئے ہوں تو وہ قابلِ گرفت نہیں' جیسے کہ بعض اوقات بے اختیار' آیت ''ما کان محمد ابا احد'' کی تلاوت کے وقت بعض اہلِ علم بھی انگوٹھے چوم لیتے ہیں، حالانکہ یہاں بھی بالاتفاق منع ہے۔ جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ان علماء کے نزدیک بھی یہ وقفہ قرأت میں شمار ہے اور سکوت لازم...... اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری قبلہ کی عمر میں برکت عطا فرمائے کہ انہوں نے بروقت ایک نازک مسئلہ پر رہنمائی فرمائی۔ آمین۔

فقط حررہٗ فقیر قادری برکاتی غفرلہٗ

۹۔۱۔ ۱۹۹۰ء

(۲۰) تصدیق: حضرت علامہ سید محمد علی صاحب رضوی دامت برکاتہم العالیہ

شیخ التصوف دار العلوم احسن البرکات، حیدر آباد

۷۸۶- فقیر اپنی کم علمی کی وجہ سے مسئلہ ہذا پر کافی غور کرتا رہا اور اسی نتیجے پر پہنچا کہ جب احناف کے مقتدا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خودؔ احکام شرع کی

روشنی میں' قرآن کریم کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے نماز میں' خلف امام پڑھنے کو منع فرما دیا اور یہ اجماعی مسئلہ ہو گیا تو اس میں کلام کرنا ہی عبث ہے۔ پھر جن حضرات کو یہ علم نہ ہو کہ جب قرآن پڑھا جائے تو مسلمان کو امرِ الٰہی کے تحت خاموش رہنا اور سننا فرض ہے۔ اگر وہ حضرات یہ خالص علمی مسئلہ جانتے کہ وقف قرأت اور قطع قرأت کی تعریف کیا ہے، تو وہ ہرگز علامہ اختر رضا خاں دامت برکاتہم کی تقریر پر اعتراض نہ کرتے۔ یہ ایک نازک مسئلہ ہے اور سامعین کے ''حق نبی'' کلمہ ادا کرنے کے جواز پر بحث میں یہ استدلال قائم کرنا کہ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا بھی غلط ہوتا، یہ بھی ان حضرات کا اپنا خیال ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ختم سورۃ فاتحہ کے بعد یا اور دوسری سورتوں کے ختم کے بعد اگر کچھ کہا یا پڑھا جائے تو وہ سب قطع تلاوت کی صورتیں ہیں' وقف قرأت کی نہیں...... جبکہ وقف تلاوت کا حکم یہی ہے کہ اس میں قاری کی خاموشی داخل قرأت ہے، لہٰذا اس وقفے میں کسی قسم کا کوئی کلمہ ادا کرنا حکم الٰہی کیخلاف ہے۔

حضرت قبلہ علامہ مفتی اختر رضا خاں دامت برکاتہم العالیہ بفضلہٖ تعالیٰ خود عالم دین ہیں' ان سے ایسی بات صادر ہونا کہ جو حق نہ ہو بعید ہے۔ ان کے گھرانے نے تو آدابِ رسالت اور آدابِ ولایت سکھائے ہیں' ان پر اعتراض کرنا اور ان کی تحقیق کو نہ ماننا' کم علمی ہے۔ لہٰذا یہ فقیر قادری اس تحقیق کی مکمل تائید کرتا ہے۔

فقیر قادری سید محمد علی رضوی

۷ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ/ ۳۰ر جولائی ۱۹۹۰ء

(۲۱) تصدیق: حضرت مولانا مفتی محمد رضاء المصطفیٰ ظریف القادری

گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

امابعد۔ بحمدہ تعالیٰ فقیر نے آیت تصلیہ کی قرأت میں ''علی النبی'' پر حق نبی کے تلفظ

Scanned by CamScanner

کے جواز وعدم جواز پر فریقین کے دلائل کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔آج سے چند برس پہلے گوجرانوالہ کی بعض مجالسِ ذکر میں جب یہ سلسلہ شروع کیا گیا تو فقیر نے اس وقت یہی مؤقف اختیار کیا تھا جو مؤقف آج مفتی اسلام حضرۃ العلام شاہ محمد اختر رضا صاحب زید مجدہٗ کا سامنے آیا ہے۔

لاریب حضرت مفتیِ اسلام کا موقف درست اور احکام شرعیہ کے عین مطابق ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ علمائے مسلکِ حقہ کے سامنے تصویر کا ایک رخ پیش کیا گیا اور وہ حضرات محض حسنِ ظن کی بنا پر تصویر کے دوسرے رخ کا مطالعہ کیے اور فقہی نظر فرمائے بغیر تائیداً کچھ نہ کچھ فرماتے گئے۔وہ کون مسلمان ہے جس کا حق نبی اور حدیث من سنّ فی الاسلام سنة حسنة پر ایمان نہیں، مگر افسوس کہ بعض حضرات اصل حقیقت اور نفس مسئلہ سے غیر متعلقہ ابحاث میں اُلجھ کر رہ گئے اور بعض نے بزعم خویش اصل میدانِ بحث میں اسپ روانی کی تو مذکورہ صورت میں حق نبی کے تلفظ کو مسنون تک فرما گئے۔اسی کو حق اور اس کے خلاف کو معاذ اللہ ضلال تک لکھ گئے، مگر جب اس پر دلیلِ شرعی طلب کی گئی تو پھر ویسے ہی کترا گئے۔

خدارا تعصب کا کلیجہ چاک کر دیں، انا کا مسئلہ نہ بنائیں۔محض اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی رضا کی خاطر مفتیِ اسلام کے موقف کا مطالعہ فرمائیں۔ان شاء اللہ حق ادھر ہی پائیں گے۔جناب مولانا صاحبزادہ زبیر احمد صاحب کو بھی مخلصانہ مشورہ عرض کیا جاتا ہے کہ محترم ضد نہ فرمائیں، حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں۔اہلسنّت کا شیرازہ جس طرح بکھرا ہوا ہے کوئی مخفی امر نہیں۔قریباً پوری جماعت انتشار واختلاف سے دوچار ہے۔ہر کس وناکس بس خود ہی کو مرکز ومحور تصور کر رہا ہے، جس سے ایسا نقصان ہو رہا ہے جس کی تلافی کوئی آسان امر نہیں۔

بلاشبہ جناب صاحبزادہ صاحب اور دیگر مجوزین علماء کرام کی ایک مسئلہ کی تحقیق کے لیے سعی قابلِ داد ہے مگر ان کا قائم فرمودہ موقف اور اس کو ثابت کرنے کے لیے

حدیث لیلۃ الجن سے استدلال بوجوہ درست اور لائق حجت نہیں۔

اولاً: اس لئے کہ واذا قری القرآن الآیہ میں استماع وانصات کا حکم مطلق ہے اور تقاضا مطلق سے ہے کہ وہ اپنے اطلاق پر جاری رہے۔مقید نہ ہو کیونکہ اطلاق اتنا قوی ہوتا ہے کہ خصوصی سبب یا خبر واحد وقیاس سے بھی مرتفع نہیں ہوتا۔تحریر الاصول علامہ ابن ہمام اور اس کی شرح میں ہے۔العمل به ان یجری فی کل ماصدق علیہ المطلق۔مسلم الثبوت میں ہے۔شاع وذاع احتجاجہم سلفا وخلفا بالعمومات من غیر نکیر۔اسی میں ہے العمل بالمطلق یقضی الاطلاق۔اس آیت مبارکہ کا مبدو سبب اگرچہ خاص ہے مگر حکم عام ہے چنانچہ معتبرات الاحناف میں ہے"شان نزول اگرچہ کاص ہو مگر معتبر عموم لفظ ہوتا ہے۔اور فتح القدیر ص ۲۹۸/ج ا پر ہے۔العبرة لعموم اللفظ لالخصوص السبب۔معلوم ہوا کہ آیت مبارکہ کے اطلاق وعموم کے پیش نظر حدیث لیلۃ الجن مرجوح ونا قابلِ عمل ہے۔

ثانیاً: حدیث لیلۃ الجن میں مذکور واقعہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی حیاتِ مبارکہ سے متعلق ہے اور ترمذی شریف ص ۱۶۴، ج ۲ میں مذکورہ واقعہ کے مکّی ہونے کی تائید پر ترمذی ص ۱۶۱، ج ۲ میں حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قال: قلت لابن مسعود هل صحب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لیلة الجن منکم احد قال ما صحبه منا احد ولکن افتضدناه ذات لیلة وهو بمکة الخ صریح الدلالۃ ہے۔جبکہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم امام سیوطی علیہ الرحمہ کی تصریح کے مطابق آیت مذکور مدنی ہے۔چنانچہ آپ نقل فرماتے ہیں: واخرج الزهری قال نزلت هذه الآیة فی فتی من الانصار کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کلما قرء شیئاً قرأه الخ آخر میں آپ فرماتے ہیں: قلت ظاهر ذلک ان الآیة مدنیة۔لباب النقول فی اسباب النزول ص ۱۰۵۔مذکورہ سبب نزول کے بارے میں روایت کو ملّا واعظ کاشفی تفسیر حسنی ص ۳۷۳ اور امام طبری علیہ الرحمہ بھی تفسیر ابن جریر ص ۱۱۰،

ج ۹ پر نقل فرماتے ہیں، جس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ واقعہ لیلۃ الجن نزولِ آیت سے پہلے کا ہی لہٰذا اس کو بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔

ثالثاً: اگر آیت تصلیہ کو دیگر تصریحات کی روشنی میں مکّی بھی تسلیم کر لیا جائے تو ہمارا موقف متاثر نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ آیہ مبارکہ میں استماع وانصات کا مطلق حکم، واقعہ مذکورہ کی قبلیّت اور نزولِ آیت کی بعدیّت پر صاف قرینہ ہے۔ اور پھر علامہ سیوطی وطبری کے نقل فرمودہ واقعہ انصاری سے بھی آیت کریمہ کے واقعہ لیلۃ الجن کے بعد نازل ہونے کی تائید حاصل ہو جاتی ہے۔

رابعاً: اصولِ شریعت کے مطابق مبیح وحظر جب متعارض ہوں تو حظر مقدم ہے، سے بھی قائلین جواز کی مذکورہ دلیل مرجوح ہو کر رہ جاتی ہے۔

خامساً: جب نماز میں قرأت فرض ہونے کے باوجود مقتدی کے لیے دورانِ قرأت امام پڑھنا جائز نہیں اور صحابہ کو پڑھنے پر روک دیا گیا تو تلاوتِ مستحبہ کے استماع کے دوران کچھ پڑھنا تو بدرجۂ اولیٰ ممنوع قرار پائے گا۔

سادساً: اُصولِ شرع کے مطابق کتاب اللہ پر حدیث مشہورہ کے ساتھ زیادتی جائز ہے نہ کہ خبر واحد کے ساتھ اور خبر واحد بھی ایسی جو درجۂ غریب میں ہو۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف ص ۱۶۴/ ج ۲ ہٰذا حدیث غریب الخ معلوم ہوا کہ مستدل بہ حدیث غریب ہے۔ اور کتاب اللہ کے اطلاق کی موجودگی میں اس پر عمل درست نہیں۔

سابعاً: حدیث لیلۃ الجن وقفاتِ تلاوت کے دوران بولنے پر اگرچہ صریح ہے مگر خلفائے اربعہ کے علاوہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل القدر صحابی کا موجود ہونے کے باوجود عمل ثابت نہ ہونا بھی اس کے مرجوح ومنسوخ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ثامناً: حدیث مذکور میں جنات کا بولنا تکمیل آیت کے بعد ہے، جبکہ آیت تصلیہ کے سنتے وقت ''علی النبی'' پر حق نبی کہنے کے جواز کے قائل' آیت کے درمیان بولنے اور

جواز کا قول کرنے کے لیے اس حدیث میں مذکور واقعہ پر قیاس کرتے ہیں جو کہ قیاس' قیاس مع الفارق اور غیر مفید ہے۔

تاسعاً: اس حدیث میں مذکور واقعہ ایک بار وقوع کے ساتھ متعلق ہے جو کہ احتمال خصوص سے خالی نہیں۔ لہٰذا امر مذکور کا بار بار وقوع پذیر نہ ہونا اور اکابر صحابہ کرام کا اس پر عمل پیرا نہ ہونا بھی احتمالِ خصوص کی دلیل ہے اور مسلّم امر یہ کہ خصوصیات لائق عمل نہیں اور نہ ہی ان پر احکام کو مرتب کیا جا سکتا ہے۔ کما مصرح فی الکتب.

عاشراً: اگر فرض کر لیا جائے کہ حدیث لیلۃ الجن منسوخ یا مرجوح نہیں تو بھی مدعی جواز کا اپنے دعویٰ پر اس حدیث کو پیش کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ آیت تصلیہ سورہ احزاب کی ایک آیت ہے اور کتب تفاسیر کے مطابق سورہ احزاب کی کل تہتر آیات ہیں۔ آیت تصلیہ کے استماع کے دوران حق نبی کے تلفظ کو حدیث لیلۃ الجن پر قیاس کرنے کے لیے آیاتِ کریمہ کو دو آیات تسلیم کرنا پڑے گا تا کہ مقیس اور مقیس علیہ میں مطابقت ہو سکے کیونکہ مقیس علیہ حدیث میں جنات کے جواب کا ذکر تکمیل آیت کے بعد ہے اور پھر ظاہر کہ ''علی النبی'' پر آیت پوری نہیں ہوتی بلکہ ''تسلیما'' پر مکمل ہوتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث مذکور پر نہ ہی قیاس درست ہے اور نہ ہی ''علی النبی'' پر سامع کے لیے تلفظ حق نبی جائز۔ کیونکہ اس طرح قرآن مجید کے استماع وانصات کے حکم پر عمل نہیں ہو سکے گا۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم تلک عشرۃ کاملۃ وللہ الحجۃ البالغۃ

نوٹ: قائلین جواز کے تمام دلائل دعویٰ کے مطابق نہیں۔ اس پر مفتیٔ اسلام کی گفتگو شافی ووافی ہے۔ اب مزید کچھ عرض کرنا تحصیل حاصل کے مترادف ہوگا۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے حق کہنے، حق پر عمل کرنے اور علماء کرام کو اتحاد واتفاق کی فضا پیدا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

۱۴۱۰/۱۰/۶ھ

محمد رضاء المصطفیٰ ظریف القادری

خلیفہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتیِ اعظم شاہ محمد مصطفیٰ علیہ الرحمۃ

جامعہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم

۱۹۔ اسلام آباد' گوجرانوالہ

(۲۲) تصدیق: حضرت علامہ ابوالفضل مفتی عبدالرحیم سکندری زید مجدہٗ

خطیب غوثیہ مسجد و مہتمم مدرسہ صبغۃ الہدیٰ شاہ پور چاکر، ضلع سانگھڑ

مورخہ ۱۸ رشوال ۱۴۱۰ھ

۷۸۶- درود شریف کی آیت مبارکہ میں علی النبی پر دورانِ وقف 'حق نبی' کہنے کے بارے میں حضرت علامہ مولانا مفتی اختر رضا خاں الازہری کی تحقیق اور دلائل لائق تائید اوروزنی ہیں۔

فقیر راقم الحروف کو علامہ صاحب کے فتویٰ سے مکمل اتفاق ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

العبد الراجی عفور بہ الکریم

فقیر عبدالرحیم سکندری غفرلہ الکریم

(۲۳) تصدیق: حضرت علامہ ابوالرضا محمد عبدالوہاب خانصاحب قادری رضوی

خلیفہ مفتیِ اعظم ہند۔ لاڑکانہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. نحمدہٗ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

فقیر نے مسئلہ بین القرأت ''حق نبی'' پر حضرت علامہ مفتی زماں الحاج مولانا محمد اختر رضا خاں صاحب طال اللہ عمرہ وجل قدرہ کا مدلل فتویٰ دلائلِ ساطعہ سے مملو اور اس پر مبارکپور سے تقریظ منیر کی ساعت کا شرف حاصل کیا، سبحان اللہ نور علی نور ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ مومن سر تسلیم خم کرے اور عشق و محبت کا علمٗ

فرماں برداری کا پیکر بنے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

عشاق شوقِ سجدہ میں سوئے حرم جھکے
اللہ جانتا ہے نیت یہ کدھر کی ہے

والحمدللّٰہ ربّ العالمین و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا و مولانا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

فقیر حقیر ابوالرضا محمد عبدالوہاب القادری الرضوی غفرلہ

۱۳ رشعبان المعظم ۱۴۱۰ھ

(۲۴) تصدیق: حضرت علامہ مفتی محمد عبدالحفیظ قادری برکاتی

استاذ الحدیث دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد

۷۸۶-الجواب ہوالموفق للصواب.

آیۂ کریمہ اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون- کہ جب قرآنِ پاک پڑھا جائے تو اسے اچھی طرح توجہ کے ساتھ سنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

فاضل جلیل حضرت علامہ اختر رضا خاں کی تحقیق انیق اس بارے میں نہایت جامع ہے اور مشتمل بر اقوالِ حقہ ہے اور حق کو قبول کرنا ہی دانش مندی ہے۔ لہٰذا حضرت کی تحقیق سے فقیر کو پورا اتفاق ہے۔

واللّٰہ اعلم بالصواب

مفتی عبدالحفیظ قادری برکاتی

دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد

۱۸/ذوالقعدہ ۱۴۱۰ھ

۱۲/جون ۱۹۹۰ء

(۲۵) تصدیق: فاضل جلیل حضرت مفتی عبدالقیوم خانصاحب

شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف۔لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم:

حامدا ومصلیا و مسلماً. المجیب مصیب

حضرت مولانا اختر رضا خاں قبلہ کی وضاحت سے میں متفق ہوں لیکن ایسے مسائل پر علماء کرام کو شدّت سے کام نہیں لینا چاہیے اور خواہ مخواہ عوام کے ذہنوں میں انتشار اور دین سے بیزاری کا سامان نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جھوٹی انا اور تکبر سے محفوظ فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین، علیہ وعلیٰ آلہ اکمل الصلاۃ والتسلیم.

عبدالقیوم خاں غفرلہ خادم الحدیث والافتاء

مہر دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور

(۲۶) تصدیق: فاضل جلیل مفتی محمد عبدالقیوم صاحب ہزاروی

لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیت درود شریف میں علی النبی پر وقف کے دوران حق نبی کہنے کے متعلق میں نے حضرت علامہ مولانا مولوی اختر رضا خاں الازہری البریلوی کا مقالہ پڑھا، ماشاء اللہ اس مسئلے پر انہوں نے اپنے موقف میں کثیر دلائل اور جزئیات پیش فرمائے۔

آپ کا موقف حق ہے۔ جواز حق مستور ہوتا ہے اس لیے اس کو واضح کرنے کے لیے سہل، عام فہم اور سلیس عبارت ہونی چاہیے، میری نظر میں سکوت اور وقف کے فرق کو قائم رکھا جائے تو مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، لاہور

شیخ الحدیث دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

(۲۷) تصدیق: حضرت مولانا مفتی محمد نور عالم صاحب

مفتی جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد

الظاهر ما قال صاحبزاده (ای محمد زبیر) الحیدر آبادی و تحقیق الحق ما حققه الازهری البریلوی ای حضرت صاحبزاده محمد اختر رضا خان والمناسب لاهل النظر والفکر ان یتفکروا فیه و یرجعوا عن الظاهر الی التحقیق لان الحق احق ان یتبع.

الفقیر محمد نور عالم غفرلہٗ

خادم درجہ تدریس جامعہ قادریہ رضویہ ٹرسٹ

مصطفیٰ آباد فیصل آباد

(۲۸) تصدیق: حضرت مولانا محمد افضل صاحب، فیصل آباد

ذالک هو الحق و بالقبول۔

محمد افضل غفرلہ

خطیب جامع مسجد کریسنٹ

شوگر ملز، فیصل آباد

(۲۹) تصدیق: حضرت مولانا محمد ریاض احمد سعیدی، فیصل آباد

الجواب صحیح۔

محمد ریاض احمد سعیدی

خطیب اسلام نگر، فیصل آباد

(۳۰)تصدیق: حضرت مولانا سید محمد ظفر اللہ شاہ صاحب

فیصل آباد

الجواب صحیح۔

سید محمد ظفر اللہ شاہ

خطیب جامع مسجد پرانی غلہ منڈی، فیصل آباد

(۳۱)تصدیق: حضرت علامہ محمد حسن علی قادری رضوی بریلوی

خطیب جامع مسجد فریدیہ، بلدیہ میلسی

حضرت فیض درجت' بالا مرتبت' مفتی شریعت' محقق وقت، شہزادۂ شہزادگانِ اعلیٰ حضرت مولانا علامہ الحاج مفتی الشاہ محمد اختر رضا خانصاحب الازہری الرضوی القادری دامت برکاتہم کا جواب سرسری نظر سے دیکھا، ہجوم مشاغل وکثرتِ کار کے باعث مفصل نہ دیکھ سکا، چیدہ چیدہ چند مقامات دیکھے۔ حضرت ممدوح پر غیر متزلزل اعتماد کے باعث فقیر بے توقیر سگ آستانۂ عالیہ قدسیہ رضویہ اس جواب سے مطمئن ہے۔ مفصل جواب بعد ملاحظہ کامل ارسال کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام ومشائخ سلسلہ کی برکت سے ممدوح کے علم وفضل اور فیوض وبرکات میں وسعت وترقیاں عطا فرمائے۔ آمین' ثم آمین

الفقیر محمد حسن علی الرضوی القادری غفرلہ

خادم مسجد فریدیہ اہلسنّت میلسی ملتان ڈویژن

(۳۲)تصدیق: مولانا مفتی محمد وارث قادری

جامعہ قادریہ قاسمیہ، تو تک خضدار (بلوچستان)

الجواب صحیح والمجیب نجیح۔

محمد وارث قادری غفرلہٗ

(۳۳)تصدیق: حضرت علامہ سعید احمد قادری

مہتمم دارالعلوم غوثیہ رضویہ سعیدیہ، بکرا منڈی، حیدر آباد

۷۸۶/۹۲۔الجواب صحیح۔

محمد سعید احمد قادری

۸/ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

(۳۴)تصدیق: مخدوم الملت حضرت علامہ مفتی محمد امین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

دارالعلوم امینیہ رضویہ، محمد پورہ فیصل آباد

۷۸۶۔الجواب صحیح والمجیب نجیح۔

فقیر ابوسعید محمد امین غفرلہ ولوالدیہ

۲۸/ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

(۳۵)تصدیق: حضرت علامہ مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رضوی

شیخ الحدیث ومفتی مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوارالعلوم، ملتان

۷۸۶۔الجواب صحیح۔

مفتی غلام مصطفیٰ رضوی

ایم اے اسلامیات/عربی فقہ وقانون

مہر

(۳۶)تصدیق: حضرت علامہ ابوالضیا محمد عبدالرشید رضوی فاضل بریلی شریف

مہتمم وصدر مدرس دارالعلوم شیخ الاسلام رضویہ، سیٹلائٹ ٹاؤن، جھنگ

برادرم صاحبزادہ سید ضیاء الحسن جیلانی ابن مفتی سید ریاض الحسن جیلانی علیہ الرحمۃ کے استفتاء کے جواب میں آٹھ صفحات پر پھیلے ہوئے اپنے ایک مفصل فتویٰ میں فرماتے ہیں۔

''احناف کی دلیل استماع وانصات کے واجب ہونے کی آیت کریمہ **اذا قـری القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون** ہے۔قرأت اور حالتِ خطبہ میں حق نبی کا کہنا یا درود شریف کا پڑھنا یا سلام کا جواب دینا یا چھینک والے کی تشمیت کرنا استماع وانصات کے منافی ہے۔غیر فرض، غیر واجب کی خاطر ترکِ فرض وواجب مکروہ ہے''۔

پھر آگے چل کر تعارف وتعامل کا جواب دیتے ہوئے ردالمحتار کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''اور فرمایا عرف حادث جبکہ نص کے مخالف ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ تعارف حلت کی دلیل کی صلاحیت اس وقت رکھے گا جب عہدِ صحابہ کرام اور زمانۂ مجتہدین میں اس چیز کا جواز عام ہوگا۔فقہائے کرام نے اس مسئلہ کو صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا''۔

قاری جو وقفہ سانس لینے کے لیے کرتا ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

''بدائع کی عبارت تحریر ہو چکی ہے(**المستعد للشئی کالشارع فیه**) لہٰذا وقفۂ سانس کا حکم تلاوت کا حکم رکھتا ہے اور یہ وقفہ قاطع قرأت نہیں اور نہ ہی تجدید استعاذہ کی ضرورت ہے''(لہٰذا اس وقفہ میں بھی خاموش رہنا ضروری ہوگا۔نوری)

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

''تلاوت کا حکم دلیل قطعی قرآن مجید سے ثابت ہے۔خطبہ کا حکم دلیل ظنی خبر مستفیضہ سے، وعظ کا حکم قیاس سے جس کی تصریح کتب متداولہ فقہیہ میں نظر سے نہیں گزری، لہٰذا تلاوت کا حکم آؤکد خطبہ کا مؤکد اور مجلس وعظ کا حکم ماینبغی اور مناسب کا ہوگا''۔

فقط اللّٰه و رسوله اعلم بالصواب

محمد عبدالرشید غفرلہ

مہر دارالفتاء　　۴ر رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

۳۱ر مارچ ۱۹۹۰ء

نوٹ: حضرت علامہ نے پہلے فریق مخالف کی تصدیق فرمائی تھی، مگر جب بعد میں تحقیق فرمائی تو حقیقت تک پہنچ گئے۔فللّٰہ الحمد آپ کے مفصل فتویٰ کی کاپی دارالعلوم احسن البرکات اور اکیڈمی کے دفتر میں موجود ہے۔جو بھی چاہے مطالعہ کرسکتا ہے۔

(۳۷) تصدیق: فاضل جلیل حضرت مولانا مفتی غلام سرور قادری

دارالعلوم غوثیہ، مین مارکیٹ، گلبرگ، لاہور

الجواب ہوالصواب۔حضرت علامہ فہامہ قبلہ مفتی اختر رضا خاں دامت برکاتہم کے دلائل وزنی ہیں۔اس کے برعکس محترم مولانا زبیر صاحب کی رائے وزنی نہیں ہے۔ حضرت علامہ اختر رضا خاں زید کرمہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ وحضور مفتیِ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے انوارِ علم وتحقیق سے منور ہیں۔آپ کی تحقیق لائق تائید ہے۔راقم کو علامہ محمد اختر رضا خاں رضا خاں کی تحقیق سے پورا پورا اتفاق ہے......اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے۔آمین۔فقط

مخلص

الشاہ مفتی غلام سرور قادری　　مہر

دارالعلوم غوثیہ مین مارکیٹ، گلبرگ　　۸۹-۱۲-۱۱

دارلعلوم جامعہ رضویہ وسنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور

(۳۷) تصدیق: فاضل جلیل حضرت مولانا مفتی غلام سرور قادری

(ایم۔اے، اسلامک لا، ایم اے عربک) لاہور

الجواب صحیح والمجیب الکریم نجیح۔　　فقط

غلام سرور قادری

۸۹-۱۲-۱۲

(۳۸) تصدیق: مولانا مفتی مختار احمد صاحب

فیصل آباد

ذالک کذالک انا مصدق لذلک و اللّٰہ خیر.

محمد مختار احمد غفرلہٗ

خادم دارالافتا جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد

(۳۹) اظہار رائے: از حضرت علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی

شیخ الحدیث دارالعلوم ضیاء شمس اسلام، سیال شریف

محترم و مکرم جناب علامہ نوری صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاتہٗ! مزاج شریف؟

اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے اور اہم، غیر اہم کی تمیز کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مولانا محمد زبیر صاحب کے متعلق بھی مجھے معلوم نہ تھا کہ ان کی سعی جمیل کے پس پشت کونسا محرک ہے ورنہ میں حصہ ہی نہ لیتا، کیونکہ ایسے معاملات میں حصہ لینا میں قطعاً موزوں نہیں سمجھتا۔

اظہار رائے: بہتر یہ ہے کہ اس وقت سکوت کیا جائے۔

(۴۰) از: مولانا عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ۔ لاہور

حضرت کی مکمل تحریر پڑھنے کے بعد یہی عرض کر سکتا ہوں کہ تاحال میری رائے وہی ہے کہ قاری کے وقفۂ خاموشی میں حق نبی کہنا جائز ہے بلکہ یہ کلمات کہنا اس کے متوجہ ہونے کی دلیل ہے۔ تاہم بہتر اور افضل یہ ہے کہ مکمل سکوت اور خاموشی کے ساتھ قرآن پاک سنا جائے۔

والسلام۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری

(۴۱) اظہار رائے از: مولانا ابوداؤد محمد صادق

خطیب زینت المساجد، امیر جماعت رضائے مصطفےٰ

دارالسلام، گوجرانوالہ

تاریخ۔۸۔۶۔۱۴۱۰ھ

مخلصم حافظ محمد جمیل صاحب و مولانا عبدالرشید صاحب!

السلام علیکم

آپ کا مکتوب موصول ہوا۔ جس کے متعلق جواب ارسال ہے۔ مسئلہ حق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں طرفین کے دلائل نظر سے گزرے۔ اگرچہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا صاحب مدظلہٗ کا موقف زیادہ علمی اور احتیاط پر مبنی ہے مگر دوسری طرف بھی گنجائش اور عقیدت کا اظہار ہے اور علمائے اہلسنت کی ایک جماعت بالخصوص مولانا مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی اور مولانا مفتی محمد خلیل صاحب برکاتی[1] نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے، لہٰذا اس معاملے میں شدت کی ضرورت نہیں۔ بالخصوص حضرت علامہ موصوف کی محترم و علمی شخصیت کے خلاف پراپیگنڈہ بہت ہی افسوسناک و قابل مذمت ہے اور اس سے احتراز بہت ضروری ہے۔ واللّٰہ ورسولہ اعلم

ابوداؤد محمد صادق غفرلہ

(۴۲) اظہار رائے: حضرت علامہ ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی

شیخ الحدیث جامعہ اویسیہ، بہاولپور

آپ نے ایک طویل خط میں اظہار رائے کرتے ہوئے فرمایا۔

”مجھے اگر یہ معلوم ہوتا کہ مقابلہ ہو رہا ہے تو میں (تصدیق) نہ لکھتا“۔

دستخط: ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہ

[1] حضرت مفتی محمد خلیل خاں صاحب برکاتی کا موقف سمجھنے میں مولانا ابوداؤد صاحب کو سہو ہوا۔ کما صرح ابنہ الحضرۃ مفتی احمد میاں برکاتی مدظلہ (مرتب)

(۴۳) اظہار رائے: مولانا مفتی غلام محمد قادری قاسمی، کوئٹہ

ہمیں قطعاً یہ علم نہ تھا کہ اس فتویٰ کے پیچھے کونسا جذبہ ہے، ورنہ ہرگز تصدیق نہ کرتے۔ حضرت علامہ اختر رضا خاں صاحب کی تحقیق لاجواب ہے۔ (بالمشافہ گفتگو درمیان عبدالرشید نوری و مفتی غلام محمد قاسمی)

جن علماء کو حضرت علامہ اختر رضا خاں قبلہ کا مفصل فتویٰ بھیجا گیا مگر انہوں نے سکوت فرمایا۔

۱- حضرت پیر کرم شاہ صاحب، سرگودھا
۲- مفتی غلام رسول صاحب، جامعہ رضویہ فیصل آباد
۳- مفتی محمد عرفان صاحب، بھکھی
۴- مفتی عبداللطیف صاحب، ٹھٹھہ
۵- مفتی محمد حسین صاحب نعیمی، لاہور
۶- مفتی محمد حسین صاحب قادری، سکھر
۷- مفتی فضل سبحان صاحب، مردان
۸- علامہ منظور احمد شاہ صاحب، ساہیوال

جن علماء کو اس مسئلے پر استفتاء بھیجا گیا مگر انہوں نے جواب سے گریز فرمایا۔

۱- مفتی سید شجاعت علی قادری، کراچی
۲- مولانا غلام محمد سیالوی، کراچی
۳- مولانا محمد رفیق حسنی، کراچی
۴- مولانا غلام نبی صاحب، کراچی
۵- مفتی محمد اسلم رضوی، فیصل آباد
۶- مفتی مختار احمد صاحب، جامعہ مہریہ، بہاولپور

۷- مفتی احمد میاں سدیدی، ملتان
۸- مولانا غلام محمد تونسوی، ملتان
۹- مولانا محمد صالح نعیمی، لاڑکانہ
۱۰- مولانا محمد محب اللہ نوری، اوکاڑہ
۱۱- مولانا صاحبزادہ محمد زبیر، ان کے دارالافتاء سے جواب ملا کہ ہم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ان سوالات کے جوابات نہ دیئے جائیں گے"۔

(۴۴) قدیم فتویٰ

از: امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رضی اللہ عنہ

(جو اس کتاب پر مہر کی حیثیت رکھتا ہے)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ امام کے وقفاتِ سانس میں ثنا کا ایک ایک بول پڑھنے کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"سبحانک اللھم اسی وقت تک پڑھ سکتے ہیں کہ امام قرأت بآواز شروع کرلے، جب قرأت جہری شروع کردی، اب خاموش رہنا اور سننا فرض ہے۔ وہ جو وہابی نے بتایا کہ امام ٹھہرنے کی جگہ ایک ایک، دو دو لفظ کہہ کر پورا کرے ضعیف و غیر مختار۔"

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

"اور جو مثلاً پہلی رکعت جہریہ میں ملا اور قرأت شروع ہو جانے کے باعث سبحنک نہ پڑھ سکا، اس پر الزام نہیں کہ اس نے یہ ترک ادائے فرض خاموشی کے لیے بحکم شرع کیا۔" (فتاویٰ رضویہ، ص ۸۳، ج ۳)

کلام اعلیٰ حضرت سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ دورانِ قرأت قاری کے سانس کے وقفوں میں بھی سامع کو خاموش رہنا فرض ہے اور ان وقفات کا کوئی اعتبار نہیں۔

خارج از نماز تلاوتِ قرآن کے وقت فرضِ کفایہ ہے یا فرضِ عین اس کا جواب دیتے ہوئے ایک اور جگہ فرماتے ہیں: "اور اگر وہ سب اسی غرضِ واحد کے لیے ایک مجلس میں مجتمع ہیں تو سب پر سننے کا لزوم چاہیے۔ جس طرح نماز میں جماعت مقتدیان کہ ہر شخص پر استماع و انصات جداگانہ فرض ہے یا جس طرح جلسہ خطبہ کہ ان میں ایک شخص مذکر اور باقیوں کو یہی حیثیت واحدہ (مجلس وعظ) تذکیر جامع ہے تو بالاتفاق ان سب پر سننا فرض ہے، نہ یہ کہ استماع بعض کافی ہو۔ جب تذکیر میں کلام بشر کا سننا سب حاضرین پر فرضِ

عین ہوا تو کلام الٰہی کا استماع بدرجۂ اولیٰ۔" (فتاویٰ رضویہ، ص ۱۹۳، ج ۱۰)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے اس پورے کلام سے یہ ثابت ہے کہ استماع و انصات کا جو حکم نماز میں مقتدی کو اور بوقت خطبہ سامع کو ہے، وہی حکم تلاوتِ قرآن کے وقت ہے۔ اور جب بالاتفاق امام و خطیب کے سانس کے وقفوں میں بھی استماع و انصات فرض ہے تو اسی طرح قاری کے سانس کے وقفوں میں بھی استماع و انصات فرض ہوگا۔

✻ ✻ ✻ ✻

قطعہ

تلاوت کلام الٰہی کی جب ہو
کسی کی سنو تم نہ اپنی کہو
تقاضائے آدابِ اُلفت یہی ہے
ہے واجب یہ تم پر سنو، چپ رہو

از: حافظ محمد حماد رضا خاں

قطعہ

پڑھا جائے جس وقت قرآن حسّاں
یہ لازم ہے تم پر سنو، چپ رہو
جب حکم خدا انصتوا ہے تو بےشک
جو حکم خدا ہے وہی تم کرو

از: محمد حسّان رضا خاں

Biradran e Ahle Sunnat Wal Jama'at Assalam o Alaikum wa Rahmatullahi Wa Barakatahu.

Abhi Haal hi me Hamare beech se Huzoor Tajushariya Damat Barakatahu qudsiya Darul Fana Se Darul Baqa ki Taraf Kooch Kar Gaye. aaj Ba Zahir Hazrat Hamare beech Mojood Nahi hai lekin Aapki Tasneefat Ki Shaql me Aapki Hidayat Hmare Darmiyan me Mojood hai unhi me se ek kitab Aap logo ke Hawale kar Raha hu.

Allah ta'ala Hamare nek Amal ko Kubool Farmaye aor Hamare Gunaho ko muaf Farmaye Aor Hamari choti choti koshisho ko qubool Farmaye.

Is Fakeer ko apni Duwao me Zaroor Yaad Rakhna Sath hi mere Ahal o Ayal or dosto Khas tor Par Lala khan urf Sharukh Kalandari bhai ko Zaroor Yad Rakhiyega.

Fakeer Dr Tariq Hussain.

للہِ اپنے حال پر رحم کرو

''ایمان کے حقیقی وواقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم۔ تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو جیسے تمہارے ماں باپ، تمہارے استاد، تمہارے پیر، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد۔ جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کریں اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت، ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے۔ فوراً ان سے الگ ہو جاؤ۔ ان کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ، پھر نہ تم اپنے رشتے، علاقے، دوستی، الفت کا پاس کرو۔ نہ اس کی مولویت، مشیخت، بزرگی، فضیلت کو خطرے میں لاؤ کہ آخر جو کچھ تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہی غلامی کی بناپر تھا۔ جب یہ شخص انہیں کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا۔ اس کے جبے، عمامہ پر کیا جائیں۔ کیا بہتیرے یہودی جبے نہیں پہنتے؟ عمامے نہیں باندھتے؟ اس کے نام علم وظاہری فضل کو لے کر کیا کریں۔ کیا بہتیرے یہودی جبے نہیں پہنتے؟ عمامے نہیں باندھتے؟ اس کے نام علم وظاہری فضل کو لیکر کیا کریں، کیا بہتیرے پادری بہ کثرت فلسفی بڑے بڑے علوم فنون نہیں جانتے؟ اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی، اس نے حضور سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی یا اسے ہر برے سے بدتر برا نہ جانا یا اسے برا کہنے پر برا مانا اسی قدر کہ تم نے اس امر میں بے پرواہی منائی یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے نفرت نہ آئی تو للہ تمہیں انصاف کرلو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے۔ قرآن وحدیث نے جس پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا اس سے کتنی دور نکل گئے۔

مسلمانو! کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہوگی وہ ان کے بدگو کی وقعت کر سکے گا؟ اگرچہ اس کا پیر یا استاد یا پدر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان سے زیادہ پیارے ہوں وہ ان کے گستاخ سے فوراً سخت شدید نفرت نہ کرے گا؟ اگرچہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو۔ للہ اپنے حال پر رحم کرو''۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی (تمہید ایمان ص ۶، ۷ مطبوعہ لاہور)

Published by:
JAMAT RAZA-E-MUSTAFA
Aurangabad, Maharashtra
Mob.: 9373655309, 9665947865, 9970077786
Distributed by: TAJUSH-SHARIA KITAB GHAR
Aurangabad, Maharashtra, Mob.: 096659467865, 8956171400
hanfirazvi@gmail.com
₹ 100.00